هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ

ماہنامہ

البلاغ

کراچی

سرپرست:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

مدیر اعلیٰ
محمد تقی عثمانی

مدیر انتظامی
خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری

جلد ۲

شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ

شمارہ ۸

نومبر ۱۹۶۸ء

فی پرچہ: ۵۶ پیسے ● سالانہ: ۶ روپے ● غیر ممالک سے: ایک پونڈ سالانہ
ہوائی ڈاک سے: ۲ پونڈ سالانہ

ڈاک کا پتہ: ـــــ ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی فون ۳۸۱۱۷

ہندوستانی خریدار مندرجہ ذیل پتہ پر چندہ ارسال فرما کر ڈاک خانہ کی رسید ہمیں بھیجدیں
رسالہ ان کے نام جاری کر دیا جائے گا

مولانا ظہور الحسن صاحب۔ خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (یو۔پی)

ترتیب

ذکر و فکر	محمد تقی عثمانی	۳

معارف القرآن

سورۂ النحل از آیت ۹۰	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۹

مقالات و مضامین

اسلامی سزاؤں کی حکمت	مولانا شمس الحق صاحب افغانی	۱۲
عیسائیت کا بانی کون ہے؟	محمد تقی عثمانی	۱۷
سوشلزم کا پس منظر	انوار الحق سہمی صاحب	۲۱
مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تحریک پاکستان	احمد سعید صاحب ایم۔ اے	۲۹
مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں	محمد حنیف اللہ پھلواروی	۳۷
اس مہینے میں	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۴۱

شعر و ادب

نظم	بیدل فاروقی صاحب	۴۲

ہلالی دنیا

کوریا میں اسلام کی کرنیں	سید محمد جمیل صاحب (صدر انجمن اشاعت قرآن عظیم)	۴۳

مستقل عنوانات

دل کی دنیا	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۴۹
آپ کے سوال	مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی	۵۲
خواتین اسلام	مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری	۵۴

طلباء کی محفل

امام زفر بن ہذیل رح	محمد علی	۵۵

نقد و تبصرہ

معارف القرآن، سیرت بایزید، تشکیل سندات البخاری، فیوض الرحمٰن، زاد السعید		۵۹
شعبۂ تخصص فی الفقہ والافتاء	مولانا سبحان محمود صاحب	۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشتراکیت ــــــ ایک لمحۂ فکریہ

حمد و ستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنھوں نے اس جہاں میں حق کا بول بالا کیا

جس طرح ایک بچہ اپنے گھر کی تمام چیزوں کو بیکار اور ناقابلِ التفات سمجھ کر ہر اس نئے کھلونے کی طرف لپکتا ہے جو اسے کسی دوسرے بچے کے ہاتھ میں نظر آجائے، اسی طرح جو قوم ایک مرتبہ اپنے آپ کو بُھلا بیٹھتی ہے، اس کی نگاہیں ہمیشہ دوسروں کی طرف دیکھنے کی عادی بن جاتی ہیں، اور وہ اپنے علمی اور تہذیبی سرمایہ کو یکسر نظر انداز کر کے ہر نئے نظریئے، نئی تحریک اور نئی فکر کو لپک کر قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہے، ظاہر ہے کہ ایسی خود فراموش قوم ان اقوام کی ریشہ دوانیوں کا ہمیشہ نشانہ بنی رہے گی جو اپنے افکار اپنے نظامِ زندگی اور اپنی تہذیب و معاشرت کو دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلانا چاہتی ہیں۔

کچھ عرصے سے یہی حال مسلمانوں کا بنا ہوا ہے، یہ ہماری تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہے کہ جس قوم نے صدیوں تک فکر و عمل کے میدان میں پوری انسانیت کی رہنمائی کی تھی، آج وہ خود اپنا راستہ بھول چکی ہے اور اپنی رہنمائی بھی دوسروں سے حاصل کرنے کی فکر میں ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عہدِ حاضر کی فکری تحریکوں کو عالم اسلام میں بڑی ہموار اور اثر پذیر (Receptive) زمین ملی ہوئی ہے، اور انہیں یہاں اپنی کوششوں کے بڑے کامیاب نتائج نظر آرہے ہیں۔

یوں تو ہمیں دیکھ کر زمانہ کی ہر نئی تحریک کے منہ میں پانی آتا ہے، لیکن پچھلے چند سالوں سے اشتراکیت کی ہم پر خاص نظرِ عنایت ہے، ہم نے چونکہ عملی طور پر عرصۂ دراز سے خالص سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کو اپنا رکھا ہے اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر ہمارے یہاں امیر و غریب کا ظالمانہ امتیاز قائم ہے، دولت اپنے فطری طریقے سے گردش کرنے کے بجائے چند ہاتھوں میں سمٹ رہی ہے، ہر شخص زر اندوزی کی دوڑ میں دوسرے سے آگے نکل جانے کی فکر میں ہے۔ اس غرض کے لئے دوسروں کا خون چوسنا حلال طیب قرار پا چکا ہے، اور ظلم و استحصال نے سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان نفرت کی ناقابلِ عبور دیواریں کھڑی کر دی ہیں، اس لئے ان حالات میں "مساوات" کا نعرہ بڑا ہی دلکش نعرہ ہے، اشتراکیت چونکہ اسی نعرے کو لے کر آگے بڑھ رہی ہے۔ اس لئے ٹوٹے ہوئے دلوں کا اس طرف مائل ہونا قدرتی امر ہے، یہ "ٹوٹے ہوئے دل" اگر اس بات کو جانتے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اس ظلم و ستم کا علاج خود ہمارے پاس موجود ہے، اور ایسا علاج موجود ہے

جو اشتراکیت کے پاس ہرگز نہیں ہے تو وہ اشتراکیت کے پیچھے چلنے کے بجائے خود اپنا طریقِ علاج استعمال کرنے کی کوشش کرتے
لیکن ساری مشکل یہ ہے کہ وہ اپنی گدڑی میں چھپے ہوئے لعل سے واقف نہیں، وہ سرمایہ داری کے مقابلے میں صرف اور صرف اشتراکیت
کو سمجھتے ہیں، اسی غلط فہمی اور ناواقفیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اشتراکیت نے اپنی سرگرمیوں کا رخ ان کی طرف کر دیا ہے۔

آج اشتراکی لٹریچر کا غیر معمولی سیلاب ہے جو ہمارے بک سٹالوں، تعلیم گاہوں، لیبر یونینوں اور ادبی حلقوں پر چھایا ہوا
ہے، بک اسٹالوں پر اشتراکیت کا تبلیغی ادب مفت برابر قیمتوں پر بک رہا ہے۔ کارل مارکس کی مشہور کتاب "داس کیپیٹال" کا انگ
ترجمہ جو نو سو صفحات کی تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، خود راقم الحروف نے بازار سے صرف ۹ نو روپیہ میں خریدا ہے جبکہ قیمتوں کے
عام معیار کے لحاظ سے شاید نو روپے اس کی صرف جلدوں کی قیمت بنتی ہو۔ لینن کے مضامین اور خطوط کے مجموعے جو عام حالات میں
کم از کم بارہ روپے فی جلد فروخت ہونے چاہئیں، اس وقت ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ فی جلد بک رہے ہیں۔ ماؤزے تنگ کی تعلیم
اسٹالوں پر بارہ بارہ آنے میں مل رہی ہیں۔ اور ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم ہو رہی ہیں۔

پھر یہ کتابیں تو وہ ہیں جو علمی ذوق رکھنے والوں کے لئے ہیں، ان کے علاوہ ناولوں اور افسانوں کا ایک غیر منتاہی
سلسلہ ہے جسے ہمارا نوجوان طبقہ مالِ غنیمت سمجھ کر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔ روس کے مشہور ادیب میکسم گورکی
ضخیم ناولوں کے اردو ترجمے خود راقم الحروف نے ایک ایک روپیہ میں بکتے ہوئے دیکھے ہیں، ناول اس قسم کی تبلیغ کا اس لئے بہتر
ذریعہ ہیں کہ ان کا خطاب پختہ عقل کے بجائے جوان جذبات اور گرم خون سے ہوتا ہے، اور ان میں دلائل پیش کرنے کی زحمت اٹھانے
کے بجائے جذبات برانگیختہ کر کے ذہنوں کو دھیرے دھیرے متاثر کیا جا سکتا ہے، اور جو من چلے نوجوان ناولوں اور فلموں کے
"ہیروز" کو اپنا آئیڈیل سمجھتے ہوں اور اپنی زندگی میں انہی کی مکمل نقل اتارنے کا شوق رکھتے ہوں، انہیں کسی خاص رنگ میں
رنگ دینے کے لئے ناول سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے؟

اس کے علاوہ حال ہی میں اشتراکی ممالک کے سفارت خانوں نے بڑے شاندار گٹ اپ کے ساتھ اخبارات اور رسا
جاری کئے ہیں جو گھر گھر پہنچ رہے ہیں، غیر ملکی تصویروں کے شائقین انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، اور ان کے ذریعہ رفتہ رفتہ
ذہنوں کو اشتراکیت کے لئے ہموار کیا جا رہا ہے۔

اگر ہم اسلام کے بے نظیر اصولِ زندگی سے واقف ہوتے تو لٹریچر کا یہ سیلاب ہمارے لئے کوئی خطرے کی چیز نہیں تھا
لیکن جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا، یہ لٹریچر اس نسل کے ہاتھوں میں جا رہا ہے جو اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ اُسے نہ اسلام کا پتہ ہے
اور نہ اشتراکیت کی حقیقت کا، اس نے سرمایہ دارانہ ظلم و جور کے اس ہنگامے میں بس "مساوات" کا دلکش نام سنا ہے، اور
اشتراکیت کو "مساوات" کا واحد علمبردار سمجھ کر اس کے پیچھے چل نکلی ہے۔

پھر اشتراکیت سے متاثر ہونے والی نسل کا ایک انتہا پسند گروہ تو وہ ہے جو اس بات کے لئے بخوشی تیار ہے کہ اگر اشتراکیت
کو اختیار کرنے کے لئے اسلام کو چھوڑنا پڑتا ہے تو اُسے بے دریغ چھوڑ دے، اشتراکیت پر اس گروہ کا ایمان اس قدر مضبوط ہے
کہ اسے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی کہ اسلام میں اس نظریہ اور نظام کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں، اسے تو ہر قیمت پر
اشتراکیت چاہئے۔ لہٰذا اگر اسلام اس نظام کی تردید کرتا ہے تو اس گروہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ بہت سے عرب ممالک میں بھی
اشتراکیت پسند عناصر کا رجحان یہی ہے، اور یہی رجحان ہے جس نے حال ہی میں مصر کی برسراقتدار پارٹی عرب سوشلسٹ

یمن کے ایک رکن حسین طیب سے کانگریس کی بھری محفل میں یہاں تک کہلوا دیا کہ :

"ہم نے سوشلزم کے دفاع کے لئے اسرائیل سے ایک عام جنگ لڑی ہے، ہمارے مقابلہ پر کوئی مسلم فوج ہوتی تو ہم اس سے بھی اسی طرح جنگ کرتے، جہاد کا نعرہ لگانا اسرائیل کو پروپیگنڈہ میں مدد دینا ہے*" (روزنامہ حریت کراچی ۱۹ ستمبر ۱۹۶۸ء صفحہ اول)

خدا کا شکر ہے کہ پاکستان میں ایسے انتہا پسند لوگوں کی تعداد ابھی کم ہے یا پوری طرح منظر عام پر نہیں آئی۔

لیکن ایک دوسرا گروہ ہے، جو اسلام سے ناواقف ہونے کے باوجود اس سے فطرۃً یا مصلحۃً محبت رکھتا ہے اور کھلم کھلا اسے چھوڑنے یا برا کہنے کو تیار نہیں، ایسی صورت میں آسان ترین راستہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام کی غلط تعبیر کا سارا الزام "مولوی" کے سر رکھ کر یہ کہہ دیا جائے کہ اسلام تو اشتراکیت کا پرجوش حامی ہے، اور درحقیقت اشتراکیت کے علمبردار جس راہ پر چل رہے ہیں وہ اسلام ہی کی بتائی ہوئی راہ ہے، چنانچہ اس گروہ نے اس طریقے کو اپنایا ہوا ہے۔

ہمارے ملک میں اس گروہ کی مختصر تعداد تو پہلے سے موجود تھی مگر کچھ عرصے سے اس میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور ان کی سرگرمیاں بھی زیادہ شد و مد کے ساتھ سامنے آ رہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قوم کے ایک بڑے طبقے پر جو شدید احساس کمتری سالہا سال سے چھایا ہوا ہے؛ وہ ابھی تک "دوست" اور "آقا" میں تمیز کرنے کے قابل نہیں ہوا، کچھ عرصے سے اشتراکی ممالک کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات میں جو اضافہ ہوا ہے اس کا مطلب یہ گروہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اب ہمارے لئے اشتراکیت کو اپنانا ضروری ہو گیا ہے، اور اشتراکی ممالک کے ساتھ دوستی کا مفہوم ہی یہ ہے کہ ان کے نظریات کو قبول کیا جائے۔ ہمارے ملک کے بعض معروف اخبارات، مثلاً پاکستان ٹائمز، اسی روش پر گامزن ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی موقف کی تبلیغ کو انہوں نے اپنا مشن بنایا ہوا ہے، اس کے علاوہ بعض ماہنامے اور ہفتہ وار اخبارات بھی مسلسل یہی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے ماہنامہ نصرت کے چند پرچے ہیں، جو بڑے اچھے گٹ اپ کے ساتھ لاہور سے نکل رہا ہے، اس کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس گروہ کے ذہن کا کچھ اندازہ ہو سکے گا:

"گذشتہ چند سالوں نے امید کی ایک کرن پیدا بھی کی ہے، یہ کرن چین سے ہمارے روابط کا ثمر ہے، امید یہ ہے کہ ہم پر نبی کریم کے اس قول کی حقانیت واشگاف ہونے کے دن آ گئے ہیں کہ "اطلبوا العلم ولو کان بالصین" محض اپنی معاشرتی اور معاشی اصلاح کر کے ہمارے ہمسایہ اشتراکی ملک نے اپنے یہاں جتنی اخلاقی اور سیاسی ترقی کی ہے وہ اس دور میں ہم نے اپنی بغلوں میں قرآن حکیم رکھتے ہوئے بھی نہیں کی، عالم یہ ہے کہ ہم میں سے جو لوگ چین سے ہو آتے ہیں وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہاں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہم خلافت راشدہ کے دور میں سانس لے رہے ہیں!"

(اداریہ ماہنامہ نصرت لاہور شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۸ء)

---

* خدا کا شکر ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ کے وزیر امور مذہبی نے اسلامی کانگریس کے اجلاس میں اس دو ٹوک نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں کیا، اور واضح الفاظ میں اسرائیل کے ساتھ جنگ کو "جہاد" قرار دیا ہے۔

اس گروہ کے نزدیک سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے درمیان کوئی بیچ کی راہ نہیں ہے اور سرمایہ دارانہ نظام سے ہٹنے کے معنی صرف یہ ہیں کہ اشتراکیت کو اپنایا جائے لہٰذا اس کا مسلک یہ ہے کہ:

"اسلام میں سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کا کوئی جواز نہیں، اس کی تعلیمات کا رجحان معاشی میدان میں واضح طور پر اشتراکی ہے"

(اداریہ شمارہ مارچ، اپریل ۶۶ء)

اس مسلک پر ان حضرات کو اس قدر جزم اور جمود ہے کہ وہ اس کے لئے خلافت راشدہ کے آخری حصے کو "عرب ملوکیت" بھی کہنے کے لئے تیار ہیں، اور اگر صحابہ کرامؓ بھی اس کی مخالفت میں کوئی بات کہیں تو وہ اسے بھی "ملائیت" "کھکھڑ" لینے پر آمادہ نظر آتے ہیں:

"عرب ملوکیت کے آغاز میں ابوذر غفاریؓ کی مساوات خیز تعلیم کے جواب میں کعب احبار نے قریب قریب یہی دلیلیں دی تھیں کہ اگر زکوٰۃ و عشر نکال دیا جائے تو خواہ جتنا سرمایہ اور جتنی زمین باقی رہے وہ جائز ہے اور اگر ذاتی ملکیت کا حق تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن کا قانونِ وراثت بیکار ہو جائے گا۔ اور آج قیام پاکستان کے بعد جسے اس عرب ملوکیت کے زہر کا تریاق خیال کیا گیا تھا، زمانے کی آنکھ ہمارے مولوی صاحب اور ان کے پشتیبانوں کو یہی کچھ کہتے دیکھ رہی ہے"

(اداریہ ستمبر و اکتوبر ۶۶ء)

یہ تمام حالات ہم ملک کے معزز علمائے کرام کی خدمت میں پیش کر کے اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ وہ پوری سنجیدگی کیساتھ ان حالات پر غور و فکر فرمائیں، اور یہ سوچیں کہ ان حالات میں انھیں کیا کرنا ہے؟ جن اشتراکیت پسند حضرات کے اقتباسات ہم نے اوپر پیش کئے ہیں ان کا لب و لہجہ خواہ کتنا افسوسناک، انداز بیان خواہ کتنا دلآزار اور دلائل خواہ کتنے جذباتی ہوں لیکن ان میں ایسے حضرات کی کمی نہیں ہے جو پورے خلوص کے ساتھ اشتراکیت کو مسلمانوں کے لئے راہِ نجات سمجھ کر اس کی تبلیغ کرتے ہیں، ان کا دل سچ مچ اس ظلم و ستم پر روتا ہے جو جاگیردار اور سرمایہ دار اپنے کارندوں اور مزدوروں پر توڑتے ہیں، وہ واقعۃً غریبوں کی حالتِ زار کو دیکھ کر بے چین ہوتے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک کا معاشی نظام ان خرابیوں سے پاک ہو، لیکن چونکہ اسلام کے نظام زندگی سے وہ کما حقہٗ باخبر نہیں، اس لئے اشتراکیت ہی کو وہ ان مشکلات کا صحیح حل سمجھتے ہیں، ساتھ ہی اسلام کے ساتھ ان کا پیدائشی تعلق انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ اسے بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اسی لئے وہ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اسلام اور اشتراکیت کو متحد قرار دیدیا جائے۔

لہٰذا یہ امید رکھنی چاہئے کہ ایسے لوگ جو واقعۃً غلط فہمی کی وجہ سے اس موقف پر قائم ہیں اگر انہیں ہمدردی دلسوزی اور معقولیت کے ساتھ یہ سمجھایا جائے گا کہ اسلام کے پاس ان مشکلات کا اشتراکیت سے کہیں بہتر حل موجود ہے تو وہ خوامخواہ اپنی ضد پر نہیں اڑیں گے، بات کی پچ بھرنے والوں یا نظریات کو ذاتی مفاد کے تابع رکھنے والوں کا تو کوئی علاج ممکن ہی نہیں، لیکن جو لوگ واقعۃً "معاشرتی انصاف" اور "عدل و مساوات" کی خاطر اشتراکیت کے پیچھے

چل نکلے ہیں، اگر انھیں اسلام کی اصلی اور حقیقی تعبیر میں یہ "عدل" کہیں بہتر طریقے سے، نظر آجائے تو امید ہے کہ وہ بلا وجہ اشتراکیت کی طرف لپکنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

مرے طائر نفس کو نہیں باغباں سے رنجش
ملے گھر میں آب و دانہ تو یہ دام تک نہ پہنچے

اب یہ فریضہ قرآن و سنت میں بصیرت رکھنے والے علماء کرام پر عائد ہوتا ہے کہ وہ معقولیت کے ساتھ یہ بتائیں کہ "معاشرتی انصاف" اور "عدل و مساوات" کا کیا تصور اسلام نے پیش کیا ہے؟ وہ سرمایہ داری اور اشتراکیت سے کس طرح مختلف ہے؟ اور اس پر عمل کر کے، ہم موجودہ دنیا کی مشکلات کس طرح حل کر سکتے ہیں؟

ابتک یہ ہوتا رہا ہے کہ جب بھی کبھی علماء کی طرف سے اشتراکیت کے خلاف کوئی آواز اٹھتی ہے تو اشتراکیت پسند عناصر چھوٹتے ہی ان پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ "علماء سرمایہ داری کے حامی ہیں"! اور یہ نہیں سوچتے کہ علماء جس شدّ و مد کے ساتھ اشتراکیت کے مخالف ہیں، اسی شد و مد کے ساتھ وہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کی بھی تردید کرتے آئے ہیں، بہت سے لوگوں نے تو علماء کے خلاف یہ نعرہ محض پروپیگنڈا کے شوق میں لگایا ہے، لیکن جو لوگ نیک نیتی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اشتراکیت کی مخالفت کا دوسرا نام سرمایہ داری کی حمایت ہے انہیں حقیقت سے قریب لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اشتراکیت کی تردید کے ساتھ مثبت طور پر اسلام کے معاشی نظام کو اجاگر کیا جائے، اور تینوں نظاموں کے درمیان واضح خطِ امتیاز کھینچ کر یہ بتایا جائے کہ کونسا نظام "معاشرتی انصاف" کے زیادہ مستحکم، فطری اور قابلِ عمل اصول رکھتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ علماء کرام کی طرف سے بعض اس قسم کی کوششیں ہوئی بھی ہیں۔ لیکن ابھی ان کی تعداد کمّاً و کیفاً دونوں لحاظ سے کم ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء کرام میں سے کچھ حضرات اس موضوع کو مستقل طور سے اپنا کر موجودہ معاشی نظاموں کا پوری سنجیدگی کے ساتھ بنظرِ غائر مطالعہ کریں اور موجودہ معاشی فکر اور طرزِ استدلال سے پوری طرح آگاہ ہو کر اسلام کے معاشی نظام کو مفصل طریقے سے دنیا کے سامنے پیش کریں۔

ہمارے دینی مدارس اگر اس ذمہ داری کو کماحقہ محسوس کریں تو اس معاملے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، ہمارے ذہن میں انکے کام کا اجمالی نقشہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے فارغ التحصیل طلبا، یا اساتذہ میں سے کچھ ذہین، صاحب استعداد نیک اور تحریر و تقریر کی صلاحیت رکھنے والے افراد کا انتخاب کر کے انہیں اس کام کے لئے مخصوص کرلیں اور اپنی نگرانی میں انھیں انگریزی زبان، معاشیات اور جدید فلسفے کی تعلیم دلوائیں بلکہ ہو سکے تو ان میں سے بعض کو جرمنی اور روسی زبانوں سے بھی واقف کرایا جائے تاکہ وہ اشتراکیت کا اسکے اصل ماخذ کے ذریعہ مطالعہ کر سکیں۔ اس دوران اُن سے علمِ دین کی تدریس کا بھی تھوڑا تھوڑا کام لیا جاتا رہے تاکہ اسلامی علوم سے انکی مناسبت ترقی کرتی رہے، جب وہ معاشیات یا فلسفے میں ایم۔ اے کے معیار تک پہنچ جائیں تو ان کا زیادہ وقت موجودہ معاشی نظاموں اور خاص طور سے اشتراکیت کے تحقیقی مطالعہ میں صرف ہو۔ اور اس کے ساتھ وہ "اسلام کے معاشی نظام" کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی مقالے مرتب کریں،

اگر ابھی سے اس کام کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کر کے اس طرح کے کچھ اقدامات کر لئے گئے تو امید ہے کہ انشاء اللہ حالات پر قابو پایا جاسکے گا، ورنہ دین بیزاری کا جو سیلاب اس وقت اُمڈ رہا ہے وہ نہایت تشویشناک ہے، اور اس

کام میں جس قدر تاخیر ہوتی جائے گی، حالات اتنے ہی خراب اور ان پر قابو پانا اتنا ہی مشکل ہوتا جائے گا۔ یہ دینی مدارس جنھوں نے اب تک، ہر قیمت پر دین کو محفوظ رکھنے کے لئے جان، مال اور جذبات کی بے لوث قربانیاں پیش کی ہیں جن کی بیغرض خدمات نے ابتک اس برصغیر میں اسلامی تعلیمات کی مشعلیں روشن رکھی ہیں، اور جن کی انتھک جدوجہد کی بدولت ابھی تک، ہماری فضائیں "قال اللہ" اور "قال الرسولؐ" کی زمزمہ بار صداؤں سے مالا مال ہیں۔ کیا ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ علم دین کے یہ قابل قدر مراکز، وقت کے اس اہم ترین چیلنج کو قبول کریں گے؟ اور زمانے نے ان کے کاندھوں پر جو ذمہ داری ڈال دی ہے، اسے پورا کر کے اپنے خالق کے حضور میں سرخ روئی اور آخرت کی مسؤلیت سے بچنے کا سامان کرنے کی کوشش فرمائیں گے؟

خدا کرے کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو!　　**محمد تقی عثمانی**

سُورۃ النحل

وعلی اللہ قصد السبیل ومنہا جائر، ولو شاء لہدٰکم اجمعین ⑨

اور سیدھا راستہ اللہ تک پہونچتا ہے۔ اور بعضے راستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو مقصود تک پہونچا دیتا۔

خلاصہ تفسیر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ان آیات میں اللہ جل شانہ کی عظیم الشان نعمتوں کا ذکر فرما کر توحید کے عقلی دلائل جمع کئے گئے۔ آگے بھی انھیں نعمتوں کا ذکر ہے۔ درمیان میں یہ آیت بطور جملہ معترضہ کے اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدۂ قدیمہ کی بنا پر اپنے ذمے لیا ہے کہ لوگوں کے لئے وہ صراط مستقیم واضح کردے جو اللہ تک پہنچانے والا ہے۔ اسی لئے نعماء الٰہیہ کو پیش کر کے وجود اور توحید کے دلائل جمع کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف کچھ لوگوں نے دوسرے ٹیڑھے راستے بھی اختیار کر رکھے ہیں وہ ان تمام واضح آیات اور دلائل سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں

پھر ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے کہ سب کو سیدھے راستے پر مجبور کر کے ڈال دیں تو ان کے اختیار میں تھا مگر حکمت و مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ جبر نہ کیا جائے۔ دونوں راستے سامنے کردیئے جاویں، چلنے والا جس راستے پر چلنا چاہے چلا جائے۔ صراط مستقیم اللہ تعالیٰ اور جنت پر پہنچائے گا اور ٹیڑھے راستے جہنم پر پہنچائیں گے انسان کو اختیار دے دیا جس کو چاہے انتخاب کرے۔

ھو الذی انزل من السماء ماءً لکم منہ شراب ومنہ شجر فیہ تسیمون ⑩ ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات، ان فی ذٰلک لاٰیۃً لقوم یتفکرون ⑪ وسخر لکم الیل والنہار، والشمس والقمر، والنجوم مسخرات بامرہ، ان فی ذٰلک لاٰیات لقوم یعقلون ⑫ وما ذرأ لکم فی الارض مختلفا الوانہ، ان فی ذٰلک لاٰیۃ لقوم یذکرون ⑬ وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحماً طریاً وتستخرجوا منہ حلیۃ تلبسونہا، وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا

من فضلہ ولعلکم تشکرون (۱۴) والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم وانھراً و
سُبلاً لعلکم تھتدون (۱۵) وعلٰمٰت وبالنجم ھم یھتدون (۱۶)

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور جس سے درخت اگتے ہیں۔ جن میں تم جانوروں کو چراتے ہو ○ اس سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بیشک اس میں دلیل ہے سوچنے والوں کے لئے ○ اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا۔ اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بیشک اس میں چند دلائل ہیں عقل والوں کے لئے ○ اور ان چیزوں کو بھی جن کو تمہارے لئے اس طور پر پیدا کیا کہ ان کے اقسام مختلف ہیں، بیشک اس میں دلیل ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں ○ اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو مسخر بنایا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں گہنا نکالو جو تم پہنتے ہو۔ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جا رہی ہیں۔ اور تاکہ تم خدا کی روزی تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو ○ اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے کہ وہ تم کو لیکر ڈگمگانے نہ لگے۔ اور اس نے نہریں اور رستے بنائے تاکہ منزل مقصود تک پہونچ سکو ○ اور بہت سی نشانیاں بنائیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں ○

تفسیر و تشریح

منہ شجر فیہ تسیمون لفظ شجر اکثر درخت کے لئے بولا جاتا ہے جو ساق یعنی تنے پر کھڑا ہوتا ہے اور کبھی مطلق زمین سے اگنے والی ہر چیز کو بھی درخت کہدیتے گھاس اور بیل وغیرہ ہیں اس میں داخل ہوتی ہیں اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں کیونکہ آگے جانوروں کے چرانے کا ذکر ہے اس کا تعلق زیادہ تر گھاس ہی سے ہے۔

تسیمون اسامت سے مشتق ہے جس کے معنی جانور کو چرانے یا چرنے کیلئے چھوڑنا۔

ان فی ذلک لایۃ لقوم یتفکرون ان تمام آیات میں نعمائے الٰہیہ اور عجیب و غریب حکمت کی ساتھ تخلیق کائنات کا ذکر ہے جس میں غور و فکر کرنے والوں کو ایسے دلائل اور شواہد ملتے ہیں کہ ان سے حق تعالیٰ کی توحید کا گویا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔ اسی لئے ان نعمتوں کا ذکر کرتے کرتے بار بار اس پر متنبہ کیا گیا ہے۔ اس آیت کے اخیر میں فرمایا کہ اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل ہے کیونکہ کھیتی اور درخت اور ان کے پھل پھول وغیرہ کا تعلق اللہ جل شانہ کی صنعت و حکمت کے ساتھ کسی قدر غور و تفکر چاہتا ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ دانہ یا گٹھلی زمین کے اندر ڈالنے سے پانی دینے سے تو خود بخود یہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں سے ایک عظیم الشان درخت نکل آئے اور اس پر رنگا رنگ کے پھول پھل لگنے لگیں اس میں کسی کاشتکار زمیندار کے عمل کا کوئی دخل نہیں یہ سب قادر مطلق کی صنعت و حکمت سے وابستہ ہے۔ اور اس کے بعد لیل و نہار اور ستاروں کا اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع چلنے کا ذکر آیا تو آخر میں ارشاد فرمایا۔ ان فی ذلک لایات لقوم یعقلون یعنی ان چیزوں میں چند دلائل ہیں عقل والوں کے لئے۔ اس میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ ان چیزوں کا حکم الٰہی کا مسخر ہونا ایسا ظاہر ہے کہ اس میں بہت کچھ غور و فکر کی ضرورت نہیں جس کو ذرا بھی عقل ہوگی وہ سمجھ لے گا۔ کیونکہ نباتات اور درختوں کے اگانے میں تو بظاہر کچھ نہ کچھ انسانی عمل کا دخل تھا بھی یہاں وہ بھی نہیں اس کے بعد زمین کی دوسری مختلف انواع و اقسام کی پیداوار کا ذکر فرما کر فرمایا ان فی ذلک لایۃ لقوم یذکرون کہ اس میں دلیل ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہاں بھی بہت گہرے فکر و نظر کی ضرورت نہیں اس کی دلالت بھی کھلی ہوئی ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی اس کی طرف توجہ سے دیکھے اور نصیحت حاصل کرے ورنہ بے وقوف بے فکر آدمی جو ادھر دھیان ہی نہ دے اس کو اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

سخر لکم اللیل والنہار رات اور دن کو انسانوں کے لئے مسخر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو انسان کے کام میں لگا دیا رات انسان کو آرام کے سامان مہیا کرتی ہے اور دن اس کے کام کے راستے ہموار کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ رات اور دن انسان کے حکم کے تابع چلیں

ھو الذی سخر البحر لتاکلوا آسمان و زمین کی مخلوقات اور ان میں انسان کے منافع اور فوائد بیان کرنے کے بعد بحر محیط (سمندر) کے اندر حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے انسان کے لئے کیا کیا فوائد ہیں ان کا بیان اس آیت میں کیا گیا۔ اول اس کا بیان کیا کہ دریا میں انسان کی خوراک کا کیسا اچھا انتظام کیا گیا ہے کہ مچھلی کا تازہ گوشت اس کو ملتا ہے۔

لتاکلوا منہ لحما طریا کے الفاظ ہیں۔ مچھلی کو تازہ گوشت قرار دینے سے اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اس میں ذبح کرنے کی شرط نہیں وہ گویا بنا بنایا گوشت ہے
وَتستخرجوا منہ حلیۃ تلبسونہا۔ یہ دوسرا فائدہ دریا کا بتلایا گیا ہے کہ اس میں غوطہ لگا کر انسان اپنے لئے حِلیہ نکال لیتا ہے حلیہ کے لفظی معنی زینت کے ہیں مراد وہ موتی، مونگا اور جواہرات ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں اور عورتیں ان کے ہار بنا کر گلے میں یا دوسرے طریقوں سے کانوں میں پہنتی ہیں یہ زیور اگرچہ عورتیں پہنتی ہیں لیکن قرآن نے لفظ مذکر استعمال فرمایا۔ تلبسونہا یعنی تم لوگ پہنتے ہو اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عورتوں کا زیور پہننا درحقیقت مردوں ہی کے مفاد کے لئے ہیں۔ عورت کی زینت درحقیقت مرد کا حق ہے وہ اپنی بیوی کو زینت کا لباس اور زیور پہننے پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔

وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ یہ تیسرا فائدہ دریا کا بتلایا گیا ہے فلک کے معنی کشتی اور مواخر ماخرہ کی جمع ہے۔ مخر کے معنی پانی کو چیرنے کے ہیں مراد وہ کشتیاں اور بحری جہاز ہیں جو پانی کی موجوں کو چیرتے ہوئے مسافت طے کرتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ دریا کو اللہ تعالیٰ نے بلاد بعیدہ کے سفر کا راستہ بنایا ہے۔ دور دراز کے ملکوں میں دریا ہی کے ذریعے سفر کرنا اور تجارتی مال کی درآمد برآمد کرنا آسان فرما دیا ہے اور اس کو حصول رزق کا عمدہ ذریعہ قرار دیا کیونکہ دریا کے راستے سے تجارت سب سے زیادہ نفع بخش ہوتی ہے

والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم۔ رواسی راسیہ کی جمع ہے بھاری پہاڑ کو کہا جاتا ہے۔ تمید مَید مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی ڈگمگانا یا مضطربانہ قسم کی حرکت کرنا ہے۔
معنی آیت کے یہ ہیں کہ زمین کے کرہ کو حق تعالیٰ نے بہت سی حکمتوں کے ماتحت ٹھوس اور متوازن اجزاء سے نہیں بنایا اس لئے وہ کسی جانب سے بھاری کسی جانب سے ہلکی واقع ہوئی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زمین کو عام فلاسفروں کی طرح ساکن مانا جائے یا کچھ قدیم و جدید فلاسفروں کی طرح حرکت مستدیرہ کی ساتھ متحرک قرار دیا جائے دونوں حال میں زمین کے اندر ایک اضطرابی حرکت ہوتی جس کو اردو میں کانپنے یا ڈگمگانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس اضطرابی حرکت کو روکنے اور اجزاء زمین کو متوازن کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا وزن رکھ دیا تاکہ وہ اضطرابی حرکت نہ کر سکے۔
باقی رہا مسئلہ حرکت مستدیرہ کا جیسے تمام سیارات کرتے ہیں اور قدیم فلاسفہ میں سے فیثاغورس کی بھی تحقیق تھی اور جدید فلاسفر سب اس پر متفق ہیں اور نئے تجربات نے اس کو اور بھی زیادہ واضح کر دیا ہے تو قرآن کریم میں کہیں اس کا اثبات ہے نہ اس کی نفی، بلکہ یہ اضطرابی حرکت جس کو پہاڑوں کے ذریعہ بند کیا گیا ہے اس حرکت مستدیرہ کے لئے اور زیادہ معین ہوگی جو سیارات کی طرح زمین کے لئے ثابت کیجاتی ہے واللہ اعلم

وعلمٰت وبالنجم ھم یھتدون۔ اوپر چونکہ تجارتی سفر کا ذکر آیا ہے تو مناسب ہوا کہ ان آسانیوں کا بھی ذکر کیا جائے جو حق تعالیٰ نے مسافروں کی قطع مسافت اور منزل مقصود تک پہونچانے کے لئے زمین و آسمان میں پیدا فرمائی ہیں۔ اس لئے فرمایا وعلمٰت یعنی ہم نے زمین میں راستہ پہچاننے کے لئے بہت سی علامات، پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، مکانوں وغیرہ کے

اسلامی سزاؤں کی حکمت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آپ کا اخلاص نامہ عرصہ پہنچا ہے، چند عوائق کی وجہ سے فوری جواب سے قاصر رہا۔ آپ کا رسالہ اشاعت دین کی اچھی خدمت کر رہا ہے، اس کے مضامین معیاری ہیں اور دور حاضر کے لئے روشنی کا مینار ہیں، آپ کو ایک قلمی مکتوب جو آزاد کشمیر کے بعض اہم افراد کے استفسار پر در بارۂ حکمت تعزیرات اسلامیہ تازہ لکھا ہے۔ اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں جو ابتک مکتوب الیہ کو بھی نہیں بھیجا ہے جضرت مفتی صاحب کو سلام عرض کر دیں اور احقر کی صحت کے لئے دعا کی درخواست والسلام ——— شمس الحق افغانی ۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور

(نوٹ) یہ خط آزاد کشمیر سے آیا۔

۱۰ ستمبر ۱۹۶۸ء

مجی فی اللہ جناب مولانا محمد اسحاق صاحب زید مجدکم

حکمت تعزیرات اسلامیہ

بعد از سلام مسنون و دعاء ترقیات آنکہ گرامی نامہ پہنچا اگرچہ اس وقت صاحب فراش ہوں۔ اور لیٹے لیٹے یہ مختصر جواب لکھتا ہوں لیکن اس کے باوجود انشاء اللہ جواب کافی ہوگا۔ آپ نے حدود شرعیہ اور بالخصوص رجم کی حکمت کے متعلق استفسار کیا ہے۔ برادرم اس سلسلہ میں دو امر قابل غور ہیں اول ثبوتِ حکم، دوم حکمتِ حکم۔ رجم اور شراب کے علاوہ سرقہ صغریٰ یعنی چوری اور سرقہ کبریٰ یعنی ڈاکہ کا حکم۔ آیۃ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما (آیۃ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ الخ میں ان تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف اور زنا غیر محصن کا حکم الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مأۃ جلدۃ میں مذکور ہے۔ شراب کے لئے اسی درے لگانے کا حکم اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور رجم کا حکم صحیحین اور غیر صحیحین میں مذکور ہے۔ جن کی صحت پر ماہرین حدیث متفق ہیں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس پر مسلسل عمل کیا ہے گویا نص حدیث یا قرآن منسوخ التلاوۃ باقی الحکم کے علاوہ اجماع صحابہ اور تعامل رسالت اور تعامل صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ حد قذف کے اسی درے کا حکم فاجلدوا ھم ثمانین جلدۃ کی آیت میں مذکور ہے، سورۂ نور ج ۱۸

رجم محصن کا حکم تورات میں موجود ہے۔ اسی حکم کو شرع اسلامی نے باقی رکھا جیسے کہ سورۂ مائدہ میں وکیف یحکمونک و عندھم التورٰۃ فیھا حکم اللہ میں یہی حکم رجم مراد ہے[1] جیسے قصاص کا حکم توراۃ بھی اسلام نے باقی رکھا۔ وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس میں مذکور ہے۔ کیونکہ قرآن مطالب اصلیہ کتب سماویہ کا محافظ ہے جیسے ومھیمناً علیہ میں مذکور ہے۔ بہرحال اسلامی قوانین کا ایک وجود تحریری وکتابی ہے جو کتاب وسنت میں مذکور ہے اور ایک وجود خارجی ہے۔ جس پر تعامل رسول علیہ السلام وصحابہ وغیرہ مسلسل دور حاضر تک چلا آیا ہے۔ ان دونوں طریقوں سے رجم محصن ثابت ہے اور باوجود بیسیوں اختلافات کے اس پر اتفاق چلا آیا ہے۔

عام جواب

باقی رہا حکمت کا سوال تو یہ اگرچہ اولاً عظمت خداوندی اور عظمتِ دین کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر ایک افسر ماتحت کو کوئی حکم دے۔ اور وہ عمل میں اس لئے ٹال مٹول کرے کہ اس کو اس حکم حکمت معلوم نہیں۔ پہلے افسر اس حکم کی حکمت بتلا دے جب جا کے ماتحت اس پر عمل کرے گا، تو اس کو افسر توہین حکم سمجھ کر اس کو لائق سزا قرار دیگا دوم یہ کہ تمام دنیا کی سلطنتوں میں عوام اور رعیت کے لئے قوانین سلطنت کی حکمتوں کا جاننا ضروری نہیں۔ البتہ مقنن اور قانون ساز کے لئے قانون کی حکمت کا جاننا ضروری ہے۔ مثلاً مملکت روس یا امریکہ یا پاکستان میں جو قوانین مملکت نافذ ہیں۔ کیا رعیت اور عوام کا ہر فرد ان کی حکمتوں کو جانتا ہے۔ یا بلا جانے کے عمل کرتے ہیں۔ اگر دوسری صورت ہے، تو پھر قوانین الٰہیہ پر عمل کرنے کے لئے یہ قاعدہ کیوں نہیں برتا جاتا۔ وہاں یعنی انسانی قوانین میں عوام ورعیت کے افراد یہ سمجھتے ہیں کہ قانون ساز فرد یا جماعت وہ صاحب فہم وحکمت ہے۔ انہوں نے حکمت و مصلحت کے ماتحت ان قوانین کو بنایا۔ ہمیں عمل کرنا ہے۔ حکمت کو جانے یا نہ جانے۔ اسی طرح تمام مریض ڈاکٹر او طبیب کے تجویز کردہ نسخے کے ایک ایک جزء کی حکمت نہ جاننے کے باوجود عوام صرف حکیم و ڈاکٹر کی مصلحت دانی پر اعتماد کر کے نسخۂ علاج استعمال کرتے ہیں۔ راز اس میں یہ ہے کہ دین کے اصول عقلی ہوتے ہیں اور فروع نقلی۔ تاکہ امت الجھنوں میں مبتلا نہ ہو۔ جب باری تعالےٰ کی توحید اور حضورؐ کی رسالت اور قرآن کا منجانب اللہ ہونا جو اصول ہیں۔ عقل سے ثابت ہو جائے تو پھر ان کا ایک ایک حکم خود ثابت شدہ ہے عقلی کاوشوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ انسانی قانون ساز اور ڈاکٹر کی طرح ان کی حکمت اور مصلحت دانی پر اعتماد عمل کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح خداوند تعالےٰ جو اسلامی قوانین کا مقنن ہے۔ اس کی لامحدود حکمت اور مصلحت دانی ہمارے عمل کے لئے کافی ہے۔ سوم یہ کہ تعزیری قوانین کا مقصد انسداد جرائم ہے۔ موجودہ دنیا کے تمام انسانی قوانین اپنے تعزیری قوانین کے ذریعہ انسداد جرائم میں ناکامیاب ہیں، جس کی وجہ سے روز بروز جیل خانے مجرموں کی بھیڑ سے پُر ہوتے جاتے ہیں، کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ انسانوں کی تعزیری قوانین کا نسخۂ علاج جرائم کے لئے کافی نہیں۔ اور غلط ہے۔ برخلاف اسلامی تعزیرات کے کہ جن ممالک نے جس زمانہ میں بھی اس پر عمل کیا تو جرائم میں انتہائی کمی واقع ہوئی۔ اب فیل شدہ نسخہ پر اڑا جاتا اور آزمودہ مجرب اور تیر بہدف نسخہ سے

---

[1] ایک مرتبہ کسی معزز یہودی نے زنا کر لیا تھا، تورات میں چونکہ صاف سنگسار کرنے کا حکم تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا کہ شاید آپ کی شریعت میں کوئی اور حکم ہو اور اس طرح سنگساری سے بھی بچ جائیں اور مسلمانوں کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ تورات کے پیرو ہونے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ اور ان کے پاس تورات میں اللہ کا صاف حکم لکھا ہوا ہے تو پھر یہ آپ کو حکم کیوں بناتے ہیں؟ ——— مدیر

گریز کرنا نادانی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ پاکستان کے سپریم کورٹ کے عیسائی جج نے یہ مضمون اخبارات میں شائع کیا۔ کہ موجودہ تعزیری قوانین فیل ہو گئے ہیں۔ اسلام کے قطع اطراف وغیرہ کے اسلامی تعزیرات کے نفاذ سے جرائم کا انسداد اور معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے، خود انگلستان میں گذشتہ جنگ کے بعد جرائم بڑھ گئے۔ تو تمام ماہرین قانون کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ انسداد جرم کے لئے سزا تازیانہ جاری کرنا چاہیئے جو جاری کیا گیا، اور جرائم بند ہوئے۔ ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار۔ ان سب باتوں کے بعد ہم مختصر حکمت بھی بیان کرتے ہیں۔

حکمت قطع چور کے حق میں قطع ید اور ڈاکو کے حق میں قطع ید ورجل جبکہ وہ دونوں معاشرے کے لئے زہریلے پھوڑے بن جاتے ہیں۔ یہ قطع ایسا ضروری ہے۔ جیسے ہسپتالوں میں زہریلے پھوڑے کی سرایت کے خوف سے عضو کاٹنے کا عمل روزمرہ کیا جاتا ہے، اور کوئی اس کو ناحق نہیں سمجھتا۔ پھر قطع مذکور کی نشانی مدت مدید تک باقی رہتی ہے۔ اور تمام ناظرین کے لئے سبق آموز اور موجب عبرت ہوتی ہے، جس کو دیکھ کر کوئی چوری اور ڈاکہ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے مقابلہ میں چور یا ڈاکو کو مخفی کوٹھڑی میں بند کرنا اور جیل کی سزا دینا سوسائٹی اور عوام پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ اور نہ کوئی اس کا مشاہدہ کرتا ہے، نہ اس کی اس سزا جرم سے کوئی سبق لیتا ہے۔

حکمت حد غیر محصن وحد شراب غیر محصن زانی چونکہ اپنی خواہش کے جائز محل کے استعمال سے محروم ہے اس لئے اس کا جرم محصن کی نسبت خفیف ہے۔ لیکن زنا کی لذت فانیہ کے جرم میں سارا بدن شریک رہا اس لئے اس کو سو دروں کی سزا دینا جس کے درد والم میں پورا بدن شریک ہے، معقول ہے۔ جس کو دیکھ کر درد والم کے علاوہ سوسائٹی میں بدنامی ورسوائی اس کیلئے اور دوسروں کے لئے موجب انسداد زنا بن سکتی ہے۔ اسی طرح شراب کی لذت فانیہ میں بھی سارا بدن شریک ہے تو اسی دروں کی سزا کا درد والم بھی سارے بدن کو عام ہے اور درد کے علاوہ عوام میں اس سزا کی وجہ سے جو رسوائی شرابی کو ہوتی ہے۔ وہ خود اس کے لئے اور دیگر ناظرین کے لئے موجب عبرت ہو سکتی ہے۔ قید وحبس کی سزا میں اچھے اور بُرے سب لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے اس سزا کا نہ عالم پر چرچا ہوتا ہے اور نہ عبرت حاصل ہو سکتی ہے، لیکن اسلامی سزاؤں میں برملا جاری کر دینے کی وجہ سے اعجوبہ پن اور نرالی چیز ہونے کی وجہ سے عام شہرت اور چرچا بھی ہوتا ہے، اور عبرت پذیری بھی۔ جس سے جرائم کی تقلیل ہو جاتی ہے۔ معمولی واقعہ کم پھیلتا ہے اور عجیب واقعہ زیادہ شہرت حاصل کرتا ہے۔

وجہ فرق زنا غیر محصن میں درحقیقت پانچ جرائم جمع ہیں (۱) الٰہی قانون تحریم زنا کی توہین۔ (۲) شہوت کا بیجا استعمال جن سے شہوانی جرائم کا دروازہ کھلتا ہے (۳) اخلاقی جرم جس میں حیا جو تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔ اس کا پردہ چاک کرنا (۴) معاشرتی جرم کہ سوسائٹی کو زنا کے جرائم سے ملوث کرنا (۵) جس خاندان کی عورت سے زنا کیا گیا۔ اس کے تمام افراد کے ننگ و ناموس کو تباہ کرنا ہے۔ اس لئے فی جرم بیس دُرے اور مجموعہ سو دروں کی سزا رکھی گئی۔ لیکن شراب نوشی میں سابق چار جرم موجود ہیں لیکن کسی خاندان کی عفیفہ کی عفت دری کر کے ان کے ننگ وناموس کو تباہ نہیں کیا گیا۔ اس لئے چار جرائم موجود ہونے کی وجہ سے اسی دروں کی سزا رکھی گئی۔ اور حد زنا سے بیس دُرے کم رکھے گئے۔

حد قذف زنا کی تہمت لگانے کی سزا اسی دُرے لگانا ہے۔ یہ جرم اگرچہ فعل زنا نہیں لیکن توہین قانون الٰہی، غضب کا بیجا استعمال، اخلاق

وحیا کی خلاف ورزی۔ (۴) معاشرہ میں بے حیائی کا چرچا کرنا (۵) مقذوف کے خاندان کو بدنام کرنا۔ یہ سب لوازمات قذف میں زنا سے کم درجہ میں موجود ہیں۔ اس لئے اس میں حقیقی زنا اور الزام زنا میں فرق کرنے کے لئے بیس دروں کی سزا کی کمی کی گئی۔ اور سزا قذف اسی درے مقرر کئے گئے، تاہم اس کمی کا تدارک ایک دوسری شکل میں کیا گیا۔ کہ قاذف کی شہادت کی مردودیت کو جزو سزا قرار دیا گیا۔ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا تاکہ مقذوف کی دوامی رسوائی کے عوض قاذف کو بھی دوامی رسوائی کی یہ سزا دی جائے کہ وہ مقبول شہادت کے اعزاز سے ہمیشہ محروم رہے۔

حدِ زنا محصن یعنی رجم و سنگساری

اس سزا کے دو جزو ہیں۔ ایک زانی کا قتل یا اس کو موت کی سزا دینا۔ دوم قتل کے لئے سنگساری کی شکل متعین کرنا۔ پہلا جزو یعنی سزا قتل تو اس لئے معقول ہے، کہ نطفۂ انسانی جو مادۂ حیات انسانی ہے وہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔ اس کو حلال محل کے باوجود حرام محل میں بشکل زنا صرف کرنا ایک متوقع الوجود انسان کی موت کا سامان اور سبب مہیا کرنا ہے کیونکہ عام حالات کے تحت ولد الزنا کے اسقاط کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اکثر زنا کے واقعات غیر شادی شدہ عورت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اس لئے اس عمل سے حکماً ایک قیمتی انسانی جان تلف ہو جاتی ہے۔ یہی راز ہے کہ حدیث میں ضائعۂ نطفہ بشکل عزل کو واد الخفی کہا گیا ہے۔ یعنی نطفہ ضائع کرنے کو ولد کو زندہ درگور کرنے سے تعبیر کیا گیا جو اگرچہ واد جلی نہیں بلکہ خفی ہے۔ اور اگر زنا کی نوبت کسی شادی شدہ عورت سے ہو تو ثبوت نسب کے باوجود شوہر کا یہ احساس کہ پیدا شدہ ولد اس کا نطفہ نہیں اس کی وہ تمام ہمدردیاں ختم کرتا ہے جو باپ کو اپنے نطفہ کی اولاد سے ہوتی ہے۔ اور یہ طرزِ عمل بچے کے حق میں حکمی موت ہے۔ بلکہ بسا اوقات عورت کے قتل کی طرف نوبت پہنچ جاتی ہے جس سے عورت بھی قتل ہو جاتی ہے اور میاں بیوی کے خاندان میں ایک دائمی عداوت قائم ہو کر مزید خون خرابہ کی بھی نوبت آتی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر زانی محصن کے لئے قتل عقلاً ضروری ہوا۔ تاکہ اس کے قتل سے آئندہ ایسے جرائم کی نوبت نہ آئے اور معاشرہ پاک رہے۔

رجم یا سنگساری

امر دوم کہ ایسے زانی کے قتل کی شکل بصورت رجم و سنگساری کیوں رکھی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زانی کا جرم ڈبل ہے۔ ایک تو اس نے اپنے عمل سے معناً قتل یا جان تلفی کا ارتکاب کیا ہے جس کی وجہ سے اسکی جان لینا بطور سزا کے ضروری ہے دوم یہ کہ اس نے مزنیہ عورت کے خاندان کے بے شمار افراد کو ہمیشہ کے لئے رسوا اور ذلیل کیا۔ اور ان کو کسی سے منہ لگانے کے قابل نہ چھوڑا۔ جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کو بھی ہولناک اور ذلت آمیز طریقے سے قتل کیا جائے جس طرح ایک موذی جانور مثلاً باؤلے کتے کو قتل کیا جاتا ہے۔ تاکہ سوسائٹی اس کی رسوائی اور ذلت کو آنکھوں سے مشاہدہ کر کے عبرت پذیر ہو۔

موازنہ قانون الٰہی و انسانی

موجودہ دور میں اکثر ممالک میں جو انسانی قوانین جاری ہیں۔ وہ غیر فطری اور نامعقول ہیں۔ جرم اور سزا میں کوئی عقلی اور منطقی ربط نہیں۔ مثلاً قتل کی پچانوے فیصد واقعات کی سزا قید کی شکل میں رکھی گئی ہے۔ اسی طرح چوری، ڈاکہ اور زنا کی سزا بھی قید و بند کی صورت میں رکھی گئی جس کو جیل خانے کے مجہول نہ خانے میں مخفی طور پر مجرم بھگت رہا ہے۔ جس کی خبر رشتہ داروں کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتی۔ اور جیل کی سزا کی حقیقت یہ ہے کہ مجرم جس نے کسی کا باپ قتل کیا ہے۔ یا ڈاکہ ڈالا ہے، یا چوری کی ہے، یا زنا کیا ہے۔ وہ جیل کے اندر حکومت کے لئے کام کرے اور حکومت اس کو خوراک کپڑے اور علاج مہیا کرے باقی مجرم نے جن کا نقصان کیا ہے۔ کہ اس کے باپ کو قتل کیا ہے

یا چوری ڈاکہ کے ذریعہ اس کی زندگی بھر کا اندوختہ اور ذخیرہ
مال تباہ کیا یا کسی کا ننگ و ناموس تباہ کیا ہے وہ جوتے
چٹخاتے پھریں۔ اس سزا سے ان کے نقصان کی نہ معنوی
تلافی ہوئی نہ مادی۔ معنوی تو اس لئے کہ یہ مجرم جلد رہا ہو کر
مظلوم افراد کے سامنے دندناتا پھرے گا۔ اور انتقامی جذبہ
جو فطری ہے وہ مظلوم افراد کو اس مجرم سے انتقام لینے پر
آمادہ کرے گا۔ اور پھر خون خرابے کی نوبت آئے گی اور جرم
کا دائرہ اس سزا مصنوعی اور غیر فطری کے باوجود اور وسیع
ہوتا جائے گا۔ کون اپنے سامنے باپ کے قاتل یا اس کے
مال کو تباہ کرنے والے چور ڈاکو کو صحیح سالم اچھی حالت میں
دیکھ سکتا ہے۔ برخلاف تعزیرات اسلامیہ کے کہ اگر قتل
عمد کا ثبوت نہ ہو یا عفو قصاص کی نوبت آئے۔ تو دیت
دینا ضروری ہے جس میں مظلوم کا فائدہ ہے اور مال دیت
مقتول کی کمائی سے محرومی کا بدل ہے۔ اسی طرح چوری میں
اگر چوری کا مال موجود ہو تو جس کی چوری ہوئی ہے اس کو
واپس کر دیا جاتا ہے۔ اور حنفی مذہب میں حسن بن زیاد کی
روایت کے مطابق اور اسی طرح امام شافعی کے مذہب کے
مطابق اگر مال مسروق موجود نہ ہو یا ہلاک ہوا ہو یا ہلاک
کر دیا گیا ہو، دونوں صورتوں میں چور سے واپس لیا جائیگا
یا بصورت قیمت کے یا بصورت مثل کی ادائے گی ہوگی
تاکہ ہاتھ کاٹنے سے اللہ کا حق اور مال کی ادائیگی سے
بندہ کا حق پورا ہو سکے۔

(دیکھو ہدایہ ج ۲ ص ۵۵۲)

محمد تقی عثمانی

عیسائیت کا بانی کون ہے

پولس اور برنباس

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارہ حواریوں میں سے جو
صاحب پولس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے
ان سے ملے جو ایک طویل عرصے تک پولس کے ساتھ رہے
وہ برنباس ہیں، حواریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ
کتاب اعمال کی اس عبارت سے ہوگا۔

"اور یوسف نامی ایک لاوی تھا جس کا
لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا
رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی
اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا اور
قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھدی"

(اعمال ۴: ۳۶، ۳۷)

اور یہ برناباس ہی تھے جنھوں نے تمام حواریوں کے
سامنے پولس کی تصدیق کی اور انھیں بتایا کہ یہ فی الواقع تمہارا
ہم مذہب ہو چکا ہے، ورنہ ابھی تک حواریوں کو اس بات کا
یقین نہ تھا، لوقا لکھتے ہیں:

"اور سب اس سے (پولس سے) ڈرتے تھے
کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے
مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے
پاس لیجاکر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس
اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے
اس سے باتیں کیں، اور اس نے دمشق میں کیسی
دلیری کے ساتھ یسوع کے نام سے منادی کی"

(اعمال ۹: ۲۶، ۲۷)

اس کے بعد ہمیں کتاب اعمال ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
پولس اور برناباس عرصۂ دراز تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے
اور انھوں نے ایک ساتھ تبلیغ عیسائیت کا فریضہ انجام دیا۔

(دیکھئے اعمال ۱۱/۳ و ۲/۲۵ و ابواب ۱۳ و ۱۴ و ۱۵)

یہاں تک کہ دوسرے حواریوں نے ان دونوں کے بارے
میں یہ شہادت دی کہ:

یہ دونوں ایسے آدمی ہیں کہ جنھوں نے اپنی
جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر
نثار کر رکھی ہیں" (اعمال ۱۵/۲۶)

اعمال کے پندرھویں باب تک برنباس اور پولس ہر معاملے میں
شیر و شکر نظر آتے ہیں، لیکن اس کے بعد اچانک ایک ایسا واقعہ
پیش آتا ہے جو بطور خاص توجہ کا مستحق ہے، اتنے عرصہ تک ساتھ
رہنے اور دعوت و تبلیغ میں اشتراک کے بعد اچانک دونوں میں

اس قدر شدید اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا روادار نہیں رہتا، یہ واقعہ کتاب اعمال میں کچھ اس طرح کہانی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ قاری کو پہلے سے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، لوقا لکھتے ہیں:

"مگر پولس اور برنباس انطاکیہ ہی میں رہے اور بہت سے لوگوں کے ساتھ خداوند کا کلام سکھاتے اور اس کی منادی کرتے رہے، چند روز بعد پولس نے برنباس سے کہا کہ جن جن شہروں میں ہم نے خدا کا کلام سنایا تھا اور پھر ان میں چل کر بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں اور برنباس کی صلاح تھی کہ یوحنا کو جو مرقس کہلاتا ہے اپنے ساتھ لے چلیں، مگر پولس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پمفولیہ میں کنارہ کر کے اس کام کے لئے ان کے ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ لے چلیں پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برنباس مرقس کو لیکر جہاز پر کپرس کو روانہ ہوا، مگر پولس نے سیلاس کو پسند کیا اور بھائیوں کی طرف سے خداوند کے فضل کے سپرد ہو کر روانہ ہوا، اور کلیسیاؤں کو مضبوط کرتا ہوا سوریہ اور کلکیہ سے گذرا"

(اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اعمال میں بظاہر اس شدید اختلاف کی وجہ صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا مرقس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا اور پولس اس سے انکار کرتا تھا، لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ دائمی جدائی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات کی بنا پر عمل میں آئی تھی، اس بات کے شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے "اختلاف" اور "جدائی" کو بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، مسٹر ای۔ ایم۔ بلیک لاک کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اب لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفقاء (پولس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے، یعنی (Paraxusmus) وہ بڑا سخت لفظ ہے اور انگریزی مترجم (KJV) نے اس لفظ کے ترجمے میں لفظ (Sharp) (تیز، سخت) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے۔ "پولس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں" یہاں پھر جدائی کے لئے یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے، اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ ۶: ۱۴ میں ملتا ہے جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہونے کا ذکر ہے[۱]"

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا مرقس کو رفیق سفر بنانا چاہتا ہے اور دوسرا ایسا ... اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہو جانا کوئی بعید از قیاس نہیں ... اس کی بنا پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیرینہ رفاقتوں کو خیرباد کہا جاتا، بالخصوص جبکہ یہ رفاقت اس مقصد کے لئے ہو جس ... تقدس اور پاکیزگی پر دونوں متفق ہوں۔ اس موقعہ پر پولس ... بعض معتقدین کنایۃً برنباس کو مورد الزام قرار دیتے ...

---

[۱] Blaiklock, Commentory on Acts edited by R.V.G. Tasker. P. P. 118, 119.

اس نے اپنے ایک رشتہ دار (یوحنا مرقس) کو ساتھ لیجانے کی خواہش پر تبلیغی مقاصد اور پولس کی رفاقت کو قربان کردیا۔[1] لیکن وہ پولس کی محبت میں اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ دونوں کی جدائی کی یہ وجہ توقا نے بیان کی ہے جو پولس کا شاگرد ہے، اگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ برنباس جو خود بقول ان کے "کلیسا کے ابتدائی دور میں اہم ترین شخصیتوں میں سے ایک"[2] تھا، اور جس نے تبلیغ و دعوت کے مقاصد کے لئے اپنی ساری پونجی لٹا دی تھی۔

(اعمال ۴ : ۳۶ و ۳۷)

کیا وہ محض اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ کے ایک اہم ترین مقاصد کو قربان کر سکتا تھا؟ سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی جاتی کہ برنباس اور پولس کا یہ اختلاف نظریاتی تھا، اور جب برنباس نے یہ دیکھا کہ پولس دین عیسوی کے بنیادی عقائد میں ترمیم کر رہا ہے تو وہ اس کی رفاقت سے الگ ہو گئے اور پولس کے شاگرد لوقا نے اس اختلاف کی ایسی توجیہ بیان کی جس کی رو سے اگر کوئی الزام عائد ہو تو برنباس پر عائد ہو اور پولس اس الزام سے بچ جائے؟

(۲) پھر لطف کی بات یہ ہے کہ بعد میں پولس یوحنا مرقس کی رفاقت کو گوارا کر لیتا ہے، چنانچہ تیمتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:

"مرقس کو ساتھ لے کر آجا، کیونکہ خدمت کیلئے وہ میرے کام کا ہے۔" (۲۔ تیمتھیس ۴ : ۱۱)

اسی طرح فلیمون کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے اور برنباس کا رشتہ کا بھائی مرقس جس کی بابت تمہیں حکم ملے تھے اگر وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے اچھی طرح ملنا۔"

(فلیمون ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مرقس اور پولس کا اختلاف بہت زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا، اس لئے پولس نے بعد میں اس کی رفاقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ پورے عہد نامۂ جدید، تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کے ساتھ بھی پولس کے تعلقات درست ہو گئے تھے،[3] سوال یہ ہے کہ اگر جھگڑے کی بنا مرقس ہی تھا تو اس کے ساتھ پولس کی رضامندی کے بعد برنباس اور پولس کی دوستی کیوں بحال نہ ہوئی؟

(۳) جب ہم خود پولس کے خطوط میں برنباس سے اس کی ناراضی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ہمیں کہیں یہ نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا مرقس تھا، اس کے برخلاف ہمیں ایک جملہ ایسا ملتا ہے جس سے دونوں کے اختلاف کے اصل سبب پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے، گلتیوں کے نام اپنے خط میں پولس لکھتا ہے:

"لیکن جب کیفا (یعنی پطرس) انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو ہو کر اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا، اس لئے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آگئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ہو کر ریاکاری کی، یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔"

(گلتیوں ۲ : ۱۱ تا ۱۳)

---

[1] See — Loewenich, Paul, His Life And Work, Trans. by G.E. Harris. London. 1960 — P. 74

[2] Ibid — P. 50.

[3] اس کے بعد صرف ایک جگہ (۱۔ کرنتھیوں ۹ : ۶) پولس اس کا ذکر بغیر کسی برائی کے کرتا ہے اور بس! مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں ملے نہیں۔

اس عبارت میں دراصل پولس اس اختلاف کو ذکر کر رہا ہے جو حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے کچھ عرصے کے بعد یروشلم اور انطاکیہ کے عیسائیوں میں پیش آیا تھا۔ یروشلم کے اکثر لوگ پہلے یہودی تھے اور انھوں نے بعد میں عیسائی مذہب قبول کیا تھا، اور انطاکیہ کے اکثر لوگ پہلے بت پرست یا آتش پرست تھے، اور حواریوں کی تعلیم و تبلیغ سے عیسائی ہوئے تھے، پہلی قسم کو بائبل میں "یہودی مسیحی" (Jewish Christians) اور دوسری قسم کو غیر قوم کے لوگ (Gentile Christians) کہا گیا ہے، یہودی مسیحیوں کا کہنا یہ تھا کہ ختنہ کرانا اور موسوی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی لئے انھیں "مختون" بھی کہا جاتا ہے۔ اور غیر قوموں کا کہنا یہ تھا کہ "ختنہ" وغیرہ ضروری نہیں، اس کے علاوہ یہودی مسیحیوں میں چھوت چھات کی رسم جاری تھی، اور وہ غیر قوموں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے، پولس اس معاملے میں سو فی صد غیر قوموں کا حامی بلکہ ان کے اس نظریئے کا بانی تھا، اس نے غیر قوموں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ہی یہ تمام کوششیں کی تھیں،

اوپر ہم نے گلتیوں کے نام خط کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں پولس نے پطرس اور برنباس پر اسی لئے ملامت کی ہے کہ انھوں نے انطاکیہ میں رہتے ہوئے مختونوں کا ساتھ دیا اور پولس کے ان نئے مریدوں سے علیحدگی اختیار کی جو ختنہ اور موسوی شریعت کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے پادری جے۔ پیٹرسن اسمتھ لکھتے ہیں:

"پطرس اس اجنبی شہر (انطاکیہ) میں زیادہ تر ان لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے جو یروشلم سے آئے تھے اور جو اس کے پرانے ملاقاتی تھے، لہٰذا بہت جلد وہ ان کا ہم خیال ہونے لگتا ہے، دوسرے مسیحی یہودی پطرس سے متأثر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ برنباس بھی غیر قوم مریدوں سے علیحدگی اختیار کرنے لگتا ہے، اس قسم کے سلوک کو دیکھ کر ان نو مریدوں کی دل شکنی ہوتی ہے، جہاں تک ممکن ہے پولس اس بات کی برداشت کرتا ہے مگر بہت جلد وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے گو ایسا کرنے میں اسے اپنے ساتھیوں کی مخالفت کرنی پڑتی ہے"[1]

واضح رہے کہ یہ واقعہ برنباس اور پولس کی جدائی سے چند ہی دن پہلے کا ہے۔ اس لئے کہ انطاکیہ میں پطرس کی آمد یروشلم میں حواریوں کے اجتماع کے کچھ ہی بعد ہوئی اور حواریوں کے اجتماع اور برنباس کی جدائی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے، لوقا نے دونوں واقعات کتاب اعمال کے باب ۱۵ ہی میں بیان کئے ہیں۔

لہٰذا یہ بات انتہائی طور پر قرین قیاس ہے کہ پولس اور برنباس کی وہ جدائی جس کا ذکر لوقا نے غیر معمولی طور پر سخت الفاظ میں کیا ہے یوحنا مرقس کی ہم سفری سے زیادہ بنیادی اور نظریاتی اختلاف کا نتیجہ تھی، پولس اپنے مریدوں کے لئے ختنہ اور موسوی شریعت کے احکام کو ضروری نہیں سمجھتا تھا اور برنباس ان احکام کو پس پشت ڈالنے کو تیار نہ تھے جو بائبل میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اور ان میں نسخ کا احتمال نظر نہیں آتا۔

چنانچہ اس بات کو پادری جے پیٹرسن اسمتھ بھی محسوس کرتے ہیں کہ پولس اور برنباس کی جدائی کا سبب صرف مرقس نہ تھا بلکہ اس کے پس پشت نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"برنباس اور پطرس نے جو کہ بڑے عالی حوصلہ شخص تھے ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا ہوگا، اور یوں وہ دقت دور ہو جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ احتمال ضرور گذرتا ہے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے" (حیات و خطوط پولس ص ۸۹، ۹۰)

---

[1] حیات و خطوط پولس ص ۸۸، ۸۹ مطبوعہ ۱۹۵۲ء پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

جناب انوار الحق سیمی صاحب

سوشلزم اور اس کا پس منظر

دورِ حاضر کے نعروں میں سوشلزم بہت بلند بانگ
ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سوشلزم آخر کیا ہے؟ کیا سوشلزم
در کمیونزم ہم معنی ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے؟ فرد اور معاشرے
ے باہمی تعلق کے اعتبار سے اور ان دونوں کی ترقی و تکمیل کے
ماظ سے سوشلزم کی حقیقت کیا ہے؟ کیا سوشلزم بذاتِ
ود کوئی نظامِ حیات ہے یا ہر دوسرے نظامِ حیات کے ساتھ
س کا پیوند لگانا ضروری بھی ہے اور لگایا جا سکتا بھی ہے؟ یہ
نیادی سوال ہیں جن پر غور و فکر کے بغیر کوئی طالب علم تحقیق کی
رف قدم اٹھا سکتا ہے نہ کوئی طالبِ حق صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔
خود ان سوالوں کے صحیح جوابات تاریخی پس منظر کو ملحوظ
رکھ کر ہی مل سکتے ہیں۔ بات طویل ہے لیکن اس کا خلاصہ یہ ہے
ہ عیسائی یورپ کے مخصوص مزاج اور عمرانی عوامل سے ایسی
صورتِ حال پیدا ہوئی کہ صدیوں سے عمل اور ردِ عمل کا چکر شدت
سے چل رہا ہے۔ یہ ایک معروف بات ہے کہ چودھویں صدی سے
سولھویں صدی کے آغاز تک یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا دور تھا
س سے پہلے وہاں کی تاریخ پر دھند چھائی ہوئی تھی، علم و فکر
کا بچپن تھا اور وہ بھی بوجھل بیڑیوں میں جکڑا ہوا۔ پاپائیت نے
نسانی آزادی کا گلا گھونٹ رکھا تھا اور فرد ایک آمرانہ تقدس
کی بھینٹ چڑھا ہوا تھا۔ پھر یونان کا فلسفہ، کلاسیکی ادب۔
کوپرنیکس اور کولمبس کی دریافتیں اور کسی حد تک مارٹن لوتھر
کی اصلاحی تحریک یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنے اور فرد زندگی
کے ہر شعبے میں آزادی کا سانس لینے لگا، یہی نہیں بلکہ ردِ عمل
کے طور پر انفرادیت، جسے ۱۷۸۹ء کے انقلابِ فرانس نے
بیحد تقویت بخشی تھی، انیسویں صدی میں جان سٹوارٹ مل
جیسے مفکروں کے زیرِ اثر اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی، فرد
کی آزادی کا انتہا پسند تصور سیاست، معیشت، اخلاق،
قانون، ادب غرض ہر طرف حاوی تھا جس کے نتیجہ میں جدید
سرمایہ دارانہ جمہوریت نے جنم لیا۔
انتہا پسند انفرادیت اور سرمایہ دارانہ جمہوریت
نے انسانی زندگی کو یکرُخا بنا کر رکھ دیا اور اس سے
معیشت کے میدان میں یہ حالت ہونے لگی کہ انگریزی کا ایک
شاعر پکار اٹھا کہ "دولت کے انبار لگے ہیں اور انسان سڑ رہے
ہیں۔" مشینوں کی ایجاد اور صنعتی انقلاب کا بھی اس افسوسناک
صورتِ حال میں دخل تھا۔ بہر حال چند افراد کی مغرورانہ امارت
کے سامنے باقیماندہ معاشرہ ظاہری آزادی کے باوجود بے بس
انسانوں کا انبوہ نظر آنے لگا۔ ردِ عمل لازمی تھا۔ چنانچہ فطری
سطح پر ہیگل، مارکس، اینگلز اور جینٹائل کی تحریکیں اٹھیں، عالم
واقعہ میں ہیگل اور نطشے کے زیرِ اثر جرمنی میں نازی ازم،

جیفنائیل کے زیر اثر اٹلی میں فاشزم اور مارکس اور اینجلز کے زیر اثر روس میں جدید سائنٹفک سوشلزم کا قبضہ ہوگیا اجتماعیت اپنے پورے جوشِ انتقام کیساتھ آئی ان میں قدر مشترک یہی تھی ـــــ انفرادیت کا قلع قمع اور اجتماعیت کی بالادستی جرمنی کی نازی ازم اور اٹلی کی فاشزم دیرپا ثابت نہ ہوئیں اور دوسری عالمگیر جنگ (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کے بعد اجتماعیت کا پرچم صرف سوشلزم کے ہاتھوں میں رہ گیا۔

سوشلزم کا مفہوم دنیا بھر میں پہلے ایک تھا نہ اب ایک ہے۔ قصہ ماضی کو چھوڑیئے کہ افلاطون کی "جمہوریت" میں حکمران طبقہ کے لئے انفرادی ملکیت یہاں تک ممنوع ہے کہ بیویاں اور اولاد بھی اجتماعی اور مشترک ہیں۔ پھر ٹامس مور کے "یوٹوپیا" کو بھی جانے دیجئے کہ یہ صدیوں پہلے کا ایک رومانی ساخواب ہے۔ آج بھی سوشلزم کے دائرے میں برطانوی لیبر پارٹی کے تدریجی، ارتقائی اور آئینی سوشلزم سے لیکر مارکسی سوشلزم تک سبھی کچھ شامل ہے۔ سوشلزم کی مختلف قسموں میں فرق واختلاف زیادہ تر ذرائع کا اختلاف ہے۔ جہاں تک مقصد کا تعلق ہے انفرادی ملکیت کی نفی ان سب میں قدر مشترک ہے، انفرادی ملکیت کا خاتمہ ہر سوشلسٹ معاشرے کی لازمی شرط بھی ہے اور امتیازی علامت بھی۔ مارکس کے انقلابی سوشلزم کو اس کے پیروکار سائنٹفک سوشلزم اور کمیونزم کے ناموں سے بھی پیش کرتے ہیں۔ مارکس کا سوشلزم یا کمیونزم عام طالب علم پر جدلی مادیت کے منطقی ربط اور تاریخی جبریت کے اٹل استدلال کا اثر پیدا کرتا ہے اور باہر سے اس کی پیشکش عوامی نفسیات کے لحاظ سے انتہائی جذباتی ہے "عدم طبقاتی سوسائٹی" "امیر غریب کا امتیاز ختم" "مزدور راج" "پرولتاری آمریت" "سرخ سویرا" یہ اس کے چلتے ہوئے نعرے ہیں جنھیں پیشہ ور کامریڈ بھولے بھالے مزدوروں اور جوشیلے طالبعلموں میں گھس کر پھیلاتے ہیں۔ ادب وشعر میں "ترقی پسندی" کا خود ساختہ لیبل ان کا سرمایۂ فخر ہے۔ خدا دشمنی اور مذہب بیزاری اگرچہ سائنٹفک سوشلزم یا کمیونزم کا بنیادی عقیدہ ہے لیکن اسے کھلم کھلا صرف وہاں پھیلایا جاتا ہے جہاں مناسب حد تک زمین ہموار ہو چکی ہو ورنہ اس فکری محاذ پر گوریلا جنگ کو ترجیح دی جاتی ہے۔

عملاً سوشلزم یا کمیونزم کیا رنگ لایا ہے اس کا براہ راست مشاہدہ اگر کسی کے بس میں نہ ہو تو یہ کہانی گھر کے بھیدیوں کی زبانی سنی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں دیگر کتب کے علاوہ "The God That Failed" کے عنوان سے جو کتاب ۱۹۵۰ء میں پہلی بار لندن میں چھپی اور جس میں کمیونسٹ پارٹی کے بعض ممتاز سابق اراکین اور آندرے گائیڈ، لوئی فشر اور سٹیفن سپنڈر کے رشحات قلم درج ہیں کسی بھی خالی الذہن شخص کی نظر میں حقیقت کو بے نقاب کردینے کے لئے کافی ہے کہ ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

ستم ظریفی یہ ہے کہ انسان کو روحانی اقدار سے بے بہرہ اور معقول انفرادی آزادی سے محروم کردینے کے باوجود سوشلزم یا کمیونزم اُسے حقیقی انصاف خالص معاشی معاملات تک میں بھی نہیں دیتا۔ شاید یہ بھی تاریخ کی مادی جدلیت وجبریت ہی کوئی کرشمہ ہے کہ بورژوا طبقہ کے خلاف محنت کش طبقہ کی جلی بھنی نفرت کا ہولناک طوفان اٹھا کر جو نظام قائم ہوا اس میں مزدور کے نام پر ایک نیا طبقہ، اشتراکی بورژوا طبقہ، ابھر آئے اور بیچارہ مزدور استحصال بالجبر اور افلاس کی اسی چکی میں پستا رہے، جو یثرب و بطحا کے اثر سے باہر ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے اس کا مقدر نظر آتا ہے پھر اجتماعیت پر کلی زور فرد کی اہمیت کو ختم کرکے رکھ دیتا ہے اور اس کے نتائج سے تاریخ کے درخشاں ابواب میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا پرولتاری آمریت کا آہنی نظام ایک عجیب مشین ہے۔ تمام مشینوں سے بڑی اور بالاتر اور جو مادہ پرست اور میکانکی تہذیب بے لگام سرمایہ داری سے بنتی ہے اس کے مقابلہ میں اشتراکی تہذیب کہیں زیادہ مادہ پرست اور میکانکی ہے ؎

عدل کے لئے موت۔ مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

اقبال کے یہ الفاظ سرمایہ داری اور سوشلزم یا کمیونزم

ؤں کی ناپسندیدہ تصویروں کا مشترک عنوان ہیں، اہلِ علم
تے ہیں کہ زندگی کی بعض گہری حقیقتوں کا بہترین اظہار پیراڈکس
(PARADOX) ہی کی صورت میں ہو سکتا ہے
ر شاید اس سے زیادہ بھی پیراڈکس اور کوئی نہیں کہ سرمایہ داری
ر سوشلزم بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود اصل میں
نوں ایک ہیں۔ الحاد اور مادیت کے بطن سے پیدا ہونے والی
ن دونوں بہنوں کے رگ و پے میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے
ہور ماہر عمرانیات پی۔ اے سوروکن کی اصطلاح میں کہا جا سکتا
ہے کہ یہ دونوں حسی تہذیبیں (Sensate Cultures) ہیں۔
ں افادیت، حسی مسرت کی جستجو مادی ماحول کو زیادہ سے زیادہ
ام دہ بنانے میں قنائیت اور اخلاقی اضافیت دونوں میں
سان ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ سرمایہ داری کی حسی تہذیب کا
ک روپ قدرتی ہے اور اشتراکیت کی حسی تہذیب کا جمال
رت کے غازہ سے آراستہ ہے۔ سرمایہ داری تحریکی حیثیت کو
ستراکیت کے بعد منظم ہوئی ہے اور مارکسی اشتراکیت اپنے یوم
یدائش ہی سے عالمگیر سائنٹفک تنظیم کا داعیہ رکھتی ہے۔
پی۔ اے سوروکن نے ان دونوں حسی تہذیبوں پر اگرچہ
ن کا نام لے کر تبصرہ نہیں کیا ہے لیکن اس کے الفاظ کا مندرجہ
ذیل ترجمہ پڑھیے اور آپ کو کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہے گا
کہ آج کی یہی دو حسی تہذیبیں ہیں جن کا وہ ماتم کُناں ہے:۔
حسی دورِ اقتدار کا چکر اپنے خاتمہ کو پہنچ رہا ہے، ایک
کے بعد دوسرا طرز آزمایا جا چکا ہے: امیر اور غریب رئیسیت
اور جمہوریت، تجارت، مزدوری، دہقان۔ کسان
سب آزمائے جا چکے ہیں اور سب ناکام ہو چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے
کہ حسی گھوڑے بدلتے ہوئے ہم حسیت کی رو میں کچھ عرصہ اور
بھٹکتے رہیں۔ ہم انھیں جتنا تبدیل کریں گے وہ اتنا ہی اور
تبدیل کرنا پڑیں گے حتیٰ کہ تمام حسی گروہ آزمائش میں ناکامی کا منہ
دیکھ چکیں گے اس جھولے کا آخری نتیجہ حسیت کی خاک ہو گا،
بے عزت نااہل اور مردہ، معاشرہ خاک کے ساتھ زیادہ عرصہ
زندہ نہیں رہ سکتا، اگر اسے زندہ رہنا ہے تو اس کے لئے ناگزیر
ہے کہ عمرانی سیاسی اقدار کو اپنی حقیقی سطح پر واپس لائے
انھیں کم سے کم اضافی بنائے اور انھیں زیادہ سے زیادہ عالمگیر
ٹھہرائے۔ ان اقدار کی عالمگیریت کا مطلب یہ ہو گا کہ کسی نہ کسی شکل
میں اور کسی نہ کسی حد تک آئیڈیلزم یا آئیڈیشلزم کو اختیار کیا جائے۔
یہ ہے وہ صورتِ حال جو مغرب میں پائی جاتی ہے، نشاۃ ثانیہ
سرمایہ داری اور سوشلزم کے عمل اور ردِ عمل سے پیدا ہوئی جس سے
مغربی معاشرے کے مخصوص مسائل پیدا ہوئے اور جس کے
نتائج پر وہاں کے ذہین ترین اہلِ فکر مضطرب ہیں۔ لیکن آپ ذرا
اس بے ہنگم عجوبے کو دیکھیے کہ مغرب کے اصحاب بصیرت تو اپنی تاریخ
کی کوکھ سے پیدا ہونے والی تہذیبی بلاؤں سے لرزاں و ترساں
ہیں اور مشرق کے ممالک جہاں کبھی مغربی استعمار کا غلبہ تھا آزاد
ہو جانے کے باوجود اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ یورپ کی تاریخ
ہماری تاریخ ہے، یورپ کے مسائل ہمارے مسائل ہیں اور ان کا حل
بھی یورپ ہی کے پاس ہے سرمایہ داری میں یا سوشلزم
میں! ماضی میں مغرب کے سیاسی غلبہ اور حال میں ٹیکنولوجیکل برتری نے
مشرقی دماغوں پر یہ جادو کر رکھا ہے کہ فرد و معاشرے کے ارتقا
کی کنجی سرمایہ داری کے پاس ہے یا سوشلزم کے ہاتھوں میں ہے۔ اس
ذہنی غلامی نے کہیں تو سوشلزم کو کھلم کھلا اور من و عن اپنایا ہے، کہیں
قومی وطنی سوشلزم کا لبادہ اوڑھا ہے اور کہیں "اسلامی سوشلزم"
کا روپ دھارنے کی سعی کی ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر معاشرے میں
ان تینوں صورتوں میں سے کوئی ایک ہی پائی جاتی ہو بلکہ یہ بھی ممکن
ہے کہ کہیں بیک وقت یہ تینوں صورتیں غالب آنے کے لئے کوشاں
ہوں۔
جہاں تک سوشلزم کے قومی وطنی برانڈ کا تعلق ہے یہ دراصل
عوام کو سوشلزم ہضم کرانے کے لئے شکر چڑھی ٹکیہ ہے اور یہ وہاں
استعمال کی جاتی ہے جہاں قومیت اور وطنیت کا جوش غالب
ہو ورنہ کسے معلوم نہیں کہ سوشلزم کا قبلہ کہاں ہے۔ رہا "اسلامی
سوشلزم" تو عالم واقعہ میں اس کا وجود ہے نہ ہو سکتا ہے۔

ایک ہی وقت میں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی کا وجود تو ممکن ہے جس سے آپ "تاریک روشنی" اور "روشن تاریکی" کی اصطلاحیں گھڑ سکتے ہیں، لیکن حقائق کی دنیا میں اس کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا کہ کسی تجربہ گاہ میں اسلام اور سوشلزم کا مرکب تیار کیا جا سکے۔ اگر اسلام، سرمایہ داری اور سوشلزم کے عقائد و مقاصد کو ٹھیک ٹھیک سامنے رکھا جائے تو یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ تینوں بالکل جداگانہ نظام حیات ہیں اور کسی ایک کو دوسرے میں سمویا نہیں جا سکتا۔ پس جس طرح "سرمایہ دارانہ سوشلزم" اور "سوشلسٹ سرمایہ داری" کا صحیح معنوں میں تصور ممکن نہیں اسی طرح "اسلامی سوشلزم" اور "سوشلسٹ اسلام" کی کوئی گنجائش نہیں۔ سرمایہ داری اور سوشلزم دونوں سراسر انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور ان کے شدید فکری اختلاف کے باوجود شاید یہ خیال کیا جائے کہ عملاً ایک کا دوسرے سے پیوند لگا کر دونوں کی خوبیوں کا دوغلا نظام زندگی پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن نہیں، یہ انسان کے بس کا روگ نہیں۔ انسان کے خود ساختہ ہی سہی زندگی کے کوئی دو نظام آم کے دو پیڑ نہیں ہیں کہ ان کا آپس میں پیوند لگایا جا سکے۔ اس شخص کی سادہ لوحی قابل رحم ہے جو اس سعی لاحاصل کے درپے ہو کہ "سرمایہ دارانہ سوشلزم" یا "سوشلسٹ سرمایہ داری" کو جنم دے، تاہم اگر ایسی کوشش کی کامیابی فرض کر لی جائے تب بھی یہ فرض کرنا تو کسی طرح ممکن نہیں کہ "اسلامی سوشلزم" یا "سوشلسٹ اسلام" کا نیا برانڈ انسانی تجربہ گاہ میں تیار کیا جا سکتا ہے۔ اسلام تو خیر بڑی چیز ہے، اس سودے بازی پر خود سوشلزم بھی اپنی ساری ابن الوقتی کی صلاحیتوں کے باوجود آخر کار آمادہ نہیں ہو سکتا۔ سوشلزم کا بے لاگ تقاضا یہ ہے کہ جدلی مادیت کی بنا پر بے دین بے طبقہ اور اجتماعی ملکیت کی سوسائٹی تیار ہو۔ ادھر اسلام کا اٹل مطالبہ ہے کہ اُدخلوا فی السلم کافۃ یعنی اپنی پوری زندگی کو بغیر کسی ریزرویشن کے خدا اور رسول ؐ کے سپرد کر دو

ہنگامی مصلحتوں کے پیش نظر اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سوشلزم اپنی مذہب دشمنی اور آمرانہ مادیت کو چھپا کر صرف وقتی سمجھوتہ بازی کر سکتا ہے لیکن اسلام میں اس قسم کی سمجھوتہ بازی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسلام فرد اور معاشرے کی تعمیر و ترقی، توحید کے آفاقی عقیدہ، رسول کی اتباع، آخرت کی جوابدہی، انسان کی عالمگیر اخوت و عظمت، ہمہ گیر اخلاقی مساوات، کسب حلال و صرف حلال، پابند شریعت انفرادی ملکیت، جذبۂ خدمت خلق اور انفاق فی سبیل اللہ پر کرنا چاہتا ہے۔ سوشلزم ہی نہیں دنیا کے کسی نظام کو بھی سامنے رکھ کر آپ دیانتداری سے اسلام کا مطالعہ کیجئے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا تصور انسان اور کائنات کے بارے میں، اسلام کا طرز فکر فرد اور معاشرے سے متعلق اور اسلام کا نصب العین حیات انسانی کی بابت ہر دوسرے نظام سے اتنا مختلف ہے کہ ان میں مماثلت کی تلاش ایسے ہی ہے جیسے انسان اور چھپکلی میں مماثلت کی جستجو۔ مادیت خواہ وہ سرمایہ داری کی نقاب پوش مادیت ہو یا سوشلزم کی عریاں، بے خدا اور بپھری ہوئی مادیت کو اسلام کے ساتھ گوندھ دینے کے لئے جو لوگ کوشاں ہیں ان کی مساعی نقش بر آب سے زیادہ سود مند نہیں ہو سکتیں، اس میں شک نہیں کہ کچھ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ اسلام کی صحیح فکری اساس کو ڈائنامیٹ کر کے رکھ دیں اور پھر اسلام کا ایسا قومی چوکھٹا تیار کر لیں جس میں ہوائے نفس کے تقاضوں کے تحت مغرب کی مادیت کو فٹ کیا جا سکے گو اس چیز کے خدوخال جسے "اسلامی سوشلزم" کا نام دیا جانے لگا ہے ابھی پوری طرح متعین ہو کر سامنے نہیں آئے لیکن علم و دانش کے میدانوں میں اس کا پرچم بلند کرنے کے لئے ہر جتن کیا جا رہا ہے۔ بعض علمی گوشوں میں بات انکار حدیث سے بڑھ کر انکار قرآن تک جا پہنچی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ قرآن کے احکام ابدی نہیں اور یہ کہ قطعی نصوص میں بھی عصری تقاضوں کو پورا

کرنے کے لئے "اجتہاد" جائز ہے۔

"اسلامی سوشلزم" کی طرح ڈالنے والوں کیلئے "اجتہاد" کا ایک شاہکار یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ان الارض للہ، لہذا زمین کی انفرادی ملکیت حرام ٹھہری۔ زمین ہی پر کیا موقوف ہے، کائنات کی ہر چیز اللہ تعالےٰ کی ہے۔ للہ ما فی السموات وما فی الارض۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کے لئے ہے" یہ اعلان صاف صاف کئی جگہ خدا کی آخری کتاب میں پایا جاتا ہے۔ پتہ نہیں ان لوگوں کی نگاہ اس طرف کیوں نہیں گئی یا انھوں نے اسے نظر انداز کیوں کر دیا حالانکہ ان کے طرز استدلال کے مطابق اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انفرادی ملکیت کسی چیز کی بھی جائز نہیں، حتی کہ بیوی بچے بھی کسی فرد واحد کے نہیں ہو سکتے۔

"اسلامی سوشلزم" کے اس "اجتہادی کمال" پر یہ دعوےٰ کیا جا سکتا ہے کہ افلاطون کی خیالی "جمہوریت" میں تو کمل اجتماعیت محض حکمران طبقے تک محدود تھی لیکن اسلام میں اشتراکیت ہر لحاظ سے مکمل اور عدم طبقاتی ہے۔ اسلام پر ان لوگوں کا یہ "اجتہادی" احسان فی الحال ایک قرض ہے جسے کسی نہ کسی دن چکا کر اسلام کو قدیم و جدید ہر قسم کی سوشلزم سے زیادہ ترقی پسند "بنا ڈالا جائے گا۔ اس طرز استدلال کی لغویت پرائمری کے ایک معمولی طالب علم پر بھی واضح ہو گی۔ صرف یہی نہیں کہ اجتماعی ملکیت کے حق میں یہ استدلال فی نفسہ مضحکہ خیز ہے بلکہ یہ اسلام کے سارے مزاج کے خلاف ہے اور قرآن و حدیث کے اس تمام ذخیرے کی نفی کرتا ہے جو انفرادی ملکیت تقسیم وراثت، زکوٰۃ، عشر اور صدقات سے متعلق ہے۔

اجتہاد کوئی اندھے کی لاٹھی نہیں ہے کہ جس کا جہاں جی چاہے اٹھا کر چلانا شروع کر دے۔ فروری ۱۹۶۸ء میں راولپنڈی کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں اجتہاد کے مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی گئی "البلاغ" کی اپریل ۱۹۶۸ء کی اشاعت میں کانفرنس کی مختصر روئیداد چھپی تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس موقع پر مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جامعہ کراچی کے ڈاکٹر یوسف صاحب، ایران کے ڈاکٹر حسین نصر صاحب سوڈان کے پروفیسر ابوبکر الخلیفہ صاحب اور متحدہ عرب جمہوریہ کے ڈاکٹر حب اللہ صاحب نے مقام عقل و اجتہاد کی صحیح خطوط پر خوب وضاحت کی۔ چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے

"اس وقت اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں خطرناک ترین رجحان یہ ہے کہ بہت سے لوگ مغرب کے مقبول عام نظریات کو جوں کے توں لیکر ان کے ساتھ "اسلامی" کا لفظ لگا دیتے ہیں "اسلامی جمہوریت" "اسلامی سوشلزم" اور "اسلامی عقلیت" کی اصطلاحیں اسی طرح وجود میں آئی ہیں، اور یہ درحقیقت اسلام کے ساتھ نادان دوستی ہے" ڈاکٹر حسین نصر

عقل خالص کے استعمال کا صحیح موقعہ اسلام کو قبول کرنے سے قبل ہے، لیکن جب کوئی شخص اسلام کو مطابق عقل پاکر اسلام قبول کرلے تو اب اصل چیز اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بن جاتی ہے اور عقل اس کے تابع ہے۔ اس کے باوجود اسلام میں اجتہاد کا دروازہ خاص شرائط کے ساتھ کھلا رکھا گیا ہے، لیکن یہ دروازہ ان لوگوں کے لئے قطعی طور پر بند ہے جو دین کے اجماعی مسلمات پر دست درازی کرنے کے لئے کپڑے اتار کر اس دروازے میں داخل ہونا چاہتے ہوں" ——— ڈاکٹر محمد یوسف

"اجتہاد کا مقام قرآن و سنت کی صراحتوں کے بعد آتا ہے اور اس کے بھی کچھ حدود اور شرائط ہیں۔ اجتہاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "عقل انسانی کو مادر پدر آزاد کر کے قرآن و سنت کو اس کے تابع بنا دیا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق

مسائل میں قرآن وسنت کی کوئی تصریح نہیں
ملتی ان میں قرآن وسنت ہی کے بیان کردہ
اصولوں سے اس طرح احکام مستنبط کئے جائیں
کہ اس سے دین کی بنیادی اقدار مجروح نہ
ہونے پائیں" ——— ڈاکٹر حبیب اللہ۔

مگر "اسلامی سوشلزم" کے فکری علمبردار اجتہاد کی تمام حدود وقیود کو توڑ کر تجدد و تلبیس کے شاہکار پیش کرتے ہیں اور پھر سمجھتے یہ ہیں کہ اسلامی تاریخ انہیں سپوتوں کی صف میں جگہ دیگی اور امامت کا منصب عطا کرے گی! کاش ہمارے یہ بھائی فریب غیر اور فریب نفس کی بھول بھلیوں سے نکل کر فکری جرأت سے کام لیں اور سیدھی طرح یا تو سوشلزم کو اپنا لیں یا اسلام کو۔ ان کی موجودہ روش سے اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں کہ ہماری معاشرتی الجھنوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا صدیوں کی غلامی اور انحطاط کے اثرات سے نجات پانے اور پھر ترقی یافتہ اقوام کے لئے نشان راہ بننے کے لئے ہمارے پاس پہلے ہی وقت کی کمی ہے اور یہ "اسلامی سوشلزم" کا معجون پیش کرنے کے خواہشمند حضرات محض تاخیر و التوا کا باعث بن کر رہیں گے۔ "اسلامی سوشلزم" کے لئے مساعی سے اسلام پر ایمان کا جو حشر ہوگا سو ہوگا ہی، اس کے علاوہ معاشرہ ایک ایسے مقصدی بحران کی نذر ہو کر رہ جائے گا جس کے اذیت ناک نتیجہ کا تصور بھی محال ہے اور بالآخر اس کا فائدہ ٹھیٹھ انقلابی سوشلزم ہی کو پہنچ سکتا ہے کیونکہ بحران، انتشار، اور تخریب اسی کی مرغوب غذائیں ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کو انیسویں صدی میں دو عظیم خوابوں سے واسطہ پڑا۔ ایک خواب امام الہند شاہ ولی اللہ نے "فَكِّ كُلِّ نظام" کے ہمہ گیر انقلاب کی شکل میں اٹھارھویں صدی میں دیکھا تھا لیکن اس کے اثرات انیسویں صدی میں ظاہر ہوئے۔ اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کی ایک شاندار کوشش حالات سے شکست کھا کر ہی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کی وادی میں دفن ہو گئی۔ پھر اسی خواب کی تعبیر کا سراغ کبھی آزاد قبائلی علاقہ میں مجاہدین کے ستھانہ کیمپ میں، کبھی دارالعلوم دیوبند کے قیام میں اور کبھی کسی حد تک علی گڑھ کی تحریک میں ڈھونڈھا گیا حتی کہ اقبال، قائد اعظم اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی بصیرت ومساعی سے ۱۹۴۷ء میں پاکستان دنیا کے نقشہ پر ولی اللہی خواب کی تعبیر گاہ بن کر ابھرا۔ بعض عناصر نے علی گڑھ کو دیوبند کا حریف ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن درحقیقت یہ دونوں ایک ہی چشمۂ فیض سے سیراب تھے انیسویں صدی میں ولی اللہی فکر کے حامیوں میں مولانا مملوک علی کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ اور دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور علی گڑھ تحریک کے بانی سرسید احمد خاں دونوں ان کے شاگرد اور ہم سبق تھے دونوں کا طریق کار یقیناً جداگانہ تھا۔ اول الذکر کا زور مسلمانوں سے زیادہ اسلام کے احیا پر تھا اور مؤخر الذکر کا زور مسلمانوں کی فلاح و ترقی پر زیادہ تھا۔ سرسید کا مدعا یہ تھا کہ اسلام پر عمل کرتے ہوئے ترقی کے حصول میں مغربی سائنسی علوم سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے دیوبند سائنسی علوم حاصل کرنے کا اصولاً کبھی مخالف نہیں ہوا۔ بھلا ایسی مخالفت ممکن بھی کیونکر تھی جبکہ دیوبند کی بنیادیں ہی اسلام کے شعوری مقصد، بالفاظ دیگر شاہ ولی اللہ کے ہمہ گیر انقلاب پر اٹھائی گئی تھیں اور ہمہ گیر انقلاب کی تکمیل کا تصور سائنسی علوم کے حصول اور قدرت کی قوتوں کی تسخیر کے بغیر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ دیوبند کی مخالفت ان علوم کے حصول کے محض طریق کار سے تھی وہ طریق کار جس کے ارد گرد سازش کے دوہرے جال بچھے ہوئے تھے ——— ایک طرف عیسائی مشنریوں کی تعلیمی سرگرمیوں کے اور دوسری طرف لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی کے۔ میکالے کی تعلیمی پالیسی ہی دراصل

انیسویں صدی کا وہ دوسرا بڑا خواب تھا جس سے برصغیر کے مسلمانوں کو سابقہ پیش آیا۔ اس پالیسی کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھا اس سے متعلق خود میکالے کے اپنے الفاظ ذرا سن لیجئے۔

"انگریزی تعلیم حکومت کا فرض ہے، انگریزی زبان ہندوستانیوں کے لئے مغرب کے ترقی یافتہ اور وسعت پذیر علوم کا دروازہ کھول دے گی اور ایک زمانہ آئے گا کہ ہندوستان مغربیت کا جامہ اختیار کرے گا اور یہ قوی امید ہے کہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی مگر خیالات اور تمدن میں انگریز ہوگا۔"

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے میکالے کا یہ خواب بڑی حد تک پورا ہو کر رہا، لیکن صد شکر کہ صرف بڑی حد تک، ورنہ اگر یہ پوری طرح شرمندۂ تعبیر ہو جاتا تو پھر کسی انگریزی درسگاہ سے یہ صدا نہ اٹھتی کہ ع

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ

اور پھر یہاں سے ولی اللّٰہی خواب کی پہلی تعبیر گاہ پاکستان کے قیام کے لئے قائداعظم بھی نہ ملتے۔ ستم یہ ہے کہ میکالے کے خواب کی بڑی حد تک کامیابی کا اثر یہاں اب تک کم نہیں ہوا ہے۔ کھیپ پر کھیپ افکار و تہذیب، ذہنیت و تمدن میں "انگریزوں" کی تیار ہو رہی ہے جو مغربی سرمایہ داری یا سوشلزم اور "اسلامی سوشلزم" کو نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ اس ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے خودی سے بیگانگی ؎

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

"اسلامی سوشلزم" کے نام پر در حقیقت سوشلزم کے پرستار اگر اسلام کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر غیر جانبداری سے کریں تو اس حقیقت کو پالیں گے کہ انسانی اقدار کا امتزاج اسلام کے سوا اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ اسلام کی ہدایات ہیئت اجتماعیہ سے متعلق ہوں یا فرد کی شخصی زندگی کی بابت، ان سب میں ایک ایک بے مثال اور حیرت انگیز امتزاج کی صفت ایک مسلسل اور لطیف ترین مگر قابلِ عمل توازن کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ فردِ واحد کی گمنام سطح سے لیکر پوری حیاتِ اجتماعی تک ہر جگہ یہ توازن و امتزاج سورج کی مانند روشن ہے یہی صفتِ امتزاج فرد کی تکمیل خودی کی ضامن ہے۔ اور یہی صفت معاشرے کے صحتمند ارتقا کا چارٹر ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ ایک دو مثالوں پر ہی یہاں اکتفا کیا جا سکتا ہے۔ مسئلہ طلاق کو لیجئے۔ اسلام نے طلاق کو جائز تو رکھا ہے لیکن اسے جائز باتوں میں سب سے زیادہ مکروہ قرار دے کر اس کی عجلت و کثرت کو لگام دیدی ہے۔ انفرادی ملکیت کو جائز تو رکھا ہے لیکن اس کے حصول و صرف پر گوناں گوں قانونی و اخلاقی پابندیاں لگا کر اس کے نقصانات کو ختم اور اس کے فوائد کو اجاگر کر دیا ہے۔ پھر روحانی ارتقا کے لئے ترکِ دنیا اور رہبانیت کو حرام قرار دے کر ساتھ ہی دنیا کو تھامنے اور چلانے میں حرص اور مادہ پرستی کو بھی یکساں طور پر حرام ٹھیرایا ہے۔ قرآن مجید میں امتِ مسلمہ کے لئے "امتِ وسط" کی جو انتہائی بلیغ اصطلاح استعمال ہوئی ہے وہ اسلام کی اسی بے نظیر صفتِ توازن و امتزاج کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسلام کی یہی زندگی بخش اور حیات پرور صفتِ امتزاج ہے جسے اقبال نے یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ؎

نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا سے بیزاری
نہ اس میں عہدِ کہن کا فسانہ و افسوں
حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطوں

اور یہ اس لئے ہے کہ کائنات کا خالق ہی اسلام کا خالق بھی ہے انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے نت نئے کرشمے دکھا سکتا ہے لیکن اقدارِ حیات کا کوئی متوازن مرکب تیار کرنا اس کے بس کا روگ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے باہر رہ کر یا نفسانی

اغراض کے تحت خود اسلام میں قطع و برید کرکے انسانی ارتقا کی اعلیٰ ترین منزلیں طے نہیں کر سکتا۔ زمین فساد سے خالی نہیں ہو گی۔ معاشرہ ظلم و خوف سے پاک نہیں ہوگا اور دنیا عدل و امن کو ترستی رہے گی، جبتک اسلام کے امتزاجی نظام کو بالفعل اپنایا نہیں جائے گا انسان کا روشن مستقبل کسی یک رُخے اور غیر متوازن نظام سے نہیں بلکہ اسلام کے آفاقی توازن سے وابستہ ہے۔ دیانتداری اور وفاداری شرط آزمائش ہے۔ صدیاں گذر چکی ہیں کہ پھر کسی انسانی معاشرے نے شرح صدر کے ساتھ اپنے آپ کو اسلام کے سپرد نہیں کیا ورنہ دنیا کی فکری اور عملی امامت اسی امتزاجی نظام کے ہاتھ میں ہوتی اور جنت ارضی کا سماں قائم ہوتا۔ تاریخ اب حسرت و حیرت سے اس بات کا انتظار کرے گی کہ بیسویں صدی میں جو ملک بابانگ دہل اس امتزاجی نظام کو برپا کرنے کی غرض و غایت سے وجود میں آیا وہ اُسے برپا کرتا ہے یا نہیں اور پھر یہاں سے نوع انسانی کو کوئی روشنی ملتی ہے یا نہیں۔ اس کارِ عظیم کے لئے اقبال کے الفاظ میں چیتے کا جگر اور شاہین کا تجسس چاہئے، ایمان کی ہمہ گیر فراست و جرات اور درد و تڑپ چاہئے۔ کیا تاریخ کا یہ چیلنج قبول کیا جائے گا؟

(بقیہ آپ کے سوال)　　　اس کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں

قال شمس الائمة الحلوانی الخلاف فی الافضل حتی لو فعل کما هو من هبنا لا بأس به عند الشافعی ولو فعل کما هو من هبه لا بأس به عندنا۔ ولا ینافی هذا ما قدمه الشارح فی الواجبات حیث ذکر نهاترك تعود قبل ثانیة ورابعة لأن ذاك محمول علی القعود الطویل (رد المختار ص ۴۸۳ ج ۱ مطبوعہ استنبول)

لہٰذا جتنی مقدار شوافع کے یہاں بطور جلسہ استراحت مستحب ہے اس سے ہمارے نزدیک سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔　　　(محمد تقی عثمانی)

جناب احمد سعید صاحب ایم۔ اے
(تاریخ و سیاسیات)

مولانا ظفر احمد عثمانی اور تحریکِ پاکستان

بعض حلقوں نے اس تاثر کو عام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی کہ غیر منقسم ہندوستان کے مسلمان علمائے کرام نے تحریک پاکستان میں قطعی طور پر کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ ان کی سرگرمیاں سراسر پاکستان کی مخالفت میں تھیں۔ اب عموماً یہ خیال کیا جانے لگا ہے کہ علمائے کرام کا تحریک پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ مخالفین ان علماء کی خدمات کو بھی نظرانداز کر دیتے ہیں جنھوں نے نہ صرف پاکستان کی حمایت میں بے شمار فتوے جاری کئے بلکہ خود اس تحریک میں بنفسِ نفیس حصہ لیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی دامت برکاتہم کا شمار بھی قوم کے ان ہی محسنوں میں ہوتا ہے جنھوں نے نہ صرف پاکستان کی زبانی تائید کی بلکہ عملی طور پر بھی اس کے لئے کام کیا۔

مولانا ظفر احمد دیوبند میں پیدا ہوئے مولانا کی والدہ حضرت تھانویؒ کی حقیقی بہن تھیں۔ دیوبند میں ابتدائی تعلیم کے بعد سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم پائی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس مقرر ہوئے کچھ عرصے کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے کر تھانہ بھون قیام کیا اور علمی اور تحقیقی کام میں مصروف ہو گئے۔ بعد میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں شعبۂ اسلامیات میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ آج کل دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔

جھانسی الیکشن

جب سے مسلم لیگ نے کانگرس سے علٰحدہ ہو کر آزادیٔ ہند کا مطالبہ شروع کیا تھا، مولانا تھانوی نے بھی مسلم لیگ کی واضح حمایت شروع کر دی تھی۔ لیگ نے کانگرس سے علٰحدہ ہو کر پہلا الیکشن جھانسی کے علاقہ میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے مولانا تھانویؒ سے دریافت کیا تھا کہ مسلم لیگ اور کانگرس میں سے کس کو ووٹ دیا جائے۔ مولانا تھانوی نے اس سلسلہ میں مشورہ کے لئے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اور مولانا شبیر علی صاحب تھانوی کو طلب کیا اور فرمایا کہ "مسلم لیگ اگرچہ خالص مسلمانوں کی جماعت ہے مگر ابھی تک مسلم لیگیوں پر بھی بھروسہ نہیں اور اعتماد نہیں کہ واقعی ہندوستان کو انگریز سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور آزاد کرا کر اسلام کو قائم کریں گے یا مصطفیٰ کمال کی طرح دین کو مسخ کریں گے میں اس کا کیا جواب دوں"۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا کہ صرف یہ لکھ دیں کہ کانگرس کو ووٹ نہ دو چونکہ آپ کانگرس کے مخالف ہیں۔ مولانا تھانوی کو آپ کی یہ تجویز پسند آ گئی چنانچہ اسی مضمون کا تار جھانسی کے مسلمانوں کو دیدیا گیا۔ مسلم لیگ اس الیکشن میں کامیاب ہوئی۔ اس کامیابی کی داستان اور خوشخبری سننے کے لئے

مولانا شوکت علی اور مولانا مظہر الدین ایڈیٹر "الامان" تھانہ بھون آئے اور اس خوشی میں تھانہ بھون میں جلسہ بھی کرنا چاہا۔ مولانا تھانوی نے کہا کہ میری طرف سے اس جلسہ میں مولانا ظفر احمد صاحب تقریر کریں گے۔ پہلے مولانا مظہر الدین نے تقریر کی اور حضرت مولانا تھانوی کے اس تار کے متعلق بتلایا کہ کس طرح لوگ لیگ کے ساتھ ہوئے، بعد میں مولانا ظفر احمد صاحب نے تقریر کی آپ نے کہا "جب تک مسلم لیگ کانگرس کے ساتھ تھی حضرت حکیم الامت اس سے علیحدہ رہے کیونکہ کانگرس پر آپ کو بھروسہ نہیں ہے یہ قوم غدار ہے پہلے بھی ۱۸۵۷ء میں دھوکہ دے چکی ہے اور حدیث میں ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، مسلم لیگ تجربہ کے بعد کانگرس سے علیحدہ ہوگئی ہے۔ اب ہم اس کے ساتھ ہیں مگر جب تک لیگ کے عہدہ داران دین اور مذہب کے پورے پابند نہ ہوجائیں ان پر بھی پوری طرح بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے لیگ کے ارکان کو لازم ہے کہ وہ دیندار بنیں نماز کی پابندی کریں کہ قرآن نے اسلامی حکومت کا آئیڈیل بھی بتلایا ہے کہ اللہ کے مسلمان بندے وہ ہیں کہ ان کو زمین پر اقتدار دیا جائے تو وہ نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں، نیکی کا امر کریں اور برائی سے روکیں۔ اس تقریر کو مولانا مظہر الدین نے اپنے اخبار الامان میں بھی شائع کیا تھا۔

لیگ کے اجلاس پٹنہ میں شرکت

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء منعقد ہوا۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس اجلاس میں لیگ کے نام ایک پیغام لکھ کر بھیجا تھا مولانا نے ایک وفد بھی قائد اعظم سے ملاقات کے لئے بھیجا مولانا تھانوی کے اس پیغام کو مولانا ظفر احمد صاحب نے ہی اجلاس میں پڑھ کر سنایا تھا۔

قائد اعظم سے ملاقات

اجلاس پٹنہ سے پہلے مولانا تھانوی کے اس وفد نے ایک دن پہلے قائد اعظم سے ملاقات کی۔ مولانا ظفر احمد صاحب بھی اس وفد میں شریک تھے، آپ نے قائد اعظم سے فرمایا "کہ مسلمان ایک مذہبی قوم ہیں جب تک سیاست کو مذہب کے ساتھ ملایا نہ جائے گا کامیابی نہ ہوگی۔ مولانا محمد علی، شوکت علی جب تک نرے سیاسی رہے قوم پر اثر نہ ہوا۔ جب مذہبی رنگ میں رنگے گئے قوم پر اثر ہوا۔ آپ بھی مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کرلیں"

قائد اعظم نے فرمایا "میرا تو خیال ہے کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے۔

اس پر مولانا نے کہا "یہ تو یورپ کی سیاست ہے۔ اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفہ اسلام قائد حرب بھی تھا اور نماز کا بھی امام تھا۔ جب تک مسلمان اچھے رہے یہی صورت رہی۔ جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا تنزل شروع ہوگیا مصطفیٰ کمال نے مذہب کو چھوڑا تو اس کی سلطنت مختصر ہو کر رہ گئی۔ جب تک مذہبی شان تھی خلیفۂ اسلام کی بڑی سلطنت تھی اور رعب تھا۔ امان اللہ نے بھی مذہب کو چھوڑا تو قوم نے علیحدہ کردیا"۔ اس کا قائد اعظم پر اثر ہوا تو اگلے دن کھلے اجلاس میں فرمایا کہ اسلام عقاید عبادات معاملات اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے۔ قرآن کریم نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اس لئے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہئے۔ قائد اعظم کی اسی تقریر کو مولانا مظہر الدین نے اپنے اخبار الامان میں اس سرخی کے ساتھ شائع کیا تھا۔ "مولانا حکیم الامت کی روحانیت کی تاثیر اور قائد اعظم کی تقریر۔"

اسی ملاقات میں وفد نے یہ بھی کہا کہ ہم یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ اہل سیاست بڑے متقی اور پرہیزگار بن جائیں مگر یہ درخواست ضرور کرتے ہیں کہ مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان کم از کم نمازی ضرور بن جائیں۔ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ اس میں جھگڑا ہوگا کہ امام دیوبندی ہو، بریلوی ہو۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا کہ آپ یہ اعلان کردیں کہ ہم جماعت سے نماز پڑھیں گے اس پر جس کے پیچھے آپ ہوں گے سب اسی کے پیچھے نماز پڑھیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اجلاس مسلم لیگ ۲ بجے یہ کہہ کر ملتوی ہوگیا کہ

سب صاحب نماز پڑھیں گے۔ قاضی شہر امام بنے، قائد اعظم سمیت تمام لوگوں نے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ان کی اقتدا کی۔

آرمی بل اور قائد اعظم سے ملاقات

حکومت ہند نے ایک بل آرمی بل کے نام سے پاس کیا تھا۔ کانگرس نے اس بل کی مخالفت کی تھی لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ نے اس کی حمایت کی تھی۔ حضرت تھانوی رحؒ نے اس کی تحقیق کے لئے ایک وفد قائد اعظم کے پاس بھیجا۔ مولانا ظفر احمد صاحب بھی اس وفد میں شریک تھے۔ مولانا نے قائد اعظم سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ آپ نے اس آرمی بل کی موافقت کیوں کی ہے؟ فرمایا کہ اس کی مخالفت تو کانگرس نے بھی نہیں کی بلکہ وہ یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ فوج میں تناسب آبادی کی رعایت رکھی جائے اس وقت فوج میں ۶۰٪ سے زیادہ مسلمان ہیں، ہندو چالیس فیصدے بھی کم ہیں۔ کانگرس کا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو فوج میں ۲۵٪ رکھا جائے تو ہم آرمی بل مان سکتے ہیں۔ حکومت ہند نے کہا اس وقت خطرہ سر پر ہے، ہم فوج میں نئی بھرتی کرنے اور پرانے فوجیوں کو علیحدہ کرنے سے قاصر ہیں اس پر ایک ہندو لیڈر نے کہا کہ ایک سال میں ہمارے جنگی کالج سے ایک لاکھ فوج حکومت کو مل جائے گی۔ قائد اعظم نے فرمایا،

"انقلاب آنے والا ہے اگر ہندوستانی فوج میں مسلمانوں کی تعداد کم ہو گی تو مسلمانوں کا قتل عام ہو جائے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ فوج میں مسلمانوں کی اکثریت قائم رہے۔ اسی لئے میں نے آرمی بل کی حمایت کی تھی اس شرط پر کہ مسلمان فوج کو مسلمانوں کے مقابلے میں نہ بھیجا جائے جس کو حکومت نے منظور کر لیا اور جو مسلمانوں کا تناسب تھا اس کو بھی بدستور قائم رکھنے کا حکومت نے وعدہ کیا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان فوج میں زیادہ سے زیادہ ہوں ان کو بندوق توپ چلانا آجائے تو پاکستان کے پاس مسلمان فوج تربیت یافتہ ہو گی میں نے اس کو اپنی پریس کانفرنس میں واضح کر دیا ہے" اس کے بعد اعتراض کرنے والوں کا منہ بند ہو گیا۔

جمیعۃ علمائے اسلام کا قیام

جولائی ۱۹۴۵ء میں حضرت حکیم الامت کی جماعت نے جو لیگ کی حمایت کر رہی تھی یہ تجویز کیا کہ مطالبہ پاکستان کے لئے علماء کو اپنا ایک مستقل مرکز قائم کرنا چاہئے جمیعۃ علمائے ہند کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی، چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۵ء جمیعۃ علمائے اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ چار روز تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ محمد علی پارک کلکتہ میں ۵۰۰ سے زیادہ علماء اور مشائخ نے اس میں شرکت کی۔ عام لوگوں کا بیان تھا کہ خلافت کانفرنس کلکتہ کے بعد ایسی کانفرنس نہیں منعقد ہوئی۔ مولانا ظفر احمد صاحب کی زیر صدارت مختلف قراردادیں پاس ہوئیں۔ اسی اجلاس میں مولانا ظفر احمد صاحب کو جمیعۃ علمائے اسلام کا نائب صدر مقرر کیا گیا

لیاقت کاظمی الیکشن

۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت کے لئے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ ضلع مظفر نگر، سہارنپور سے ضمنی انتخاب کیلئے کانگرس نے اپنا امیدوار محمد احمد کاظمی کو منتخب کیا، مسلم لیگ کی طرف نواب زادہ لیاقت علی خاں کو ٹکٹ دیا گیا۔ اس موقعہ پر مولانا ظفر احمد صاحب نے زبردست ایثار و قربانی سے کام لیا۔ اس علاقہ میں لیگ کی کامیابی ناممکن نظر آرہی تھی۔ اس موقعہ پر نواب زادہ لیاقت علی خاں نے سردار امیر اعظم خاں سابق مرکزی وزیر کو تھانہ بھون بھیجا۔ اتفاق کی بات ہے کہ مولانا ظفر احمد اور محمد احمد کاظمی آپس میں قریبی رشتہ دار تھے، سردار امیر اعظم خاں مولانا شبیر علی تھانوی سے ملے اور ان سے کہا کہ وہ مولانا ظفر احمد صاحب کو الیکشن میں کام کرنے کے لئے آمادہ کریں۔ مولانا شبیر علی صاحب تھانوی نے مولانا ظفر احمد صاحب سے کہا کہ "اگر آپ پاکستان کا بننا شرعاً ضروری سمجھتے ہیں تو اس وقت الیکشن

میں دورہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ کانگرس کے حامی حضرات
کاظمی صاحب کی حمایت اور مدد کے لئے دورہ کر رہے ہیں اور
گو مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ کاظمی صاحب کی اور آپ کی قرابت داری
ہے مگر دین کا معاملہ قرابت داری سے بلند ہے۔ مولانا ظفر احمد
صاحب نے ایثار سے کام لیتے ہوئے دورہ کرنا منظور کر لیا۔
خدا کے فضل و کرم سے اس دورہ نے نہایت دور رس نتائج پیدا
کئے اور یہ دورہ کامیاب رہا۔ لیاقت علی خاں مرحوم نے مولانا
ظفر احمد صاحب کو تار کے ذریعے مبارکباد دی کہ انھوں نے
تین ہزار ووٹوں سے کاظمی صاحب کو شکست دی ہے اور
مولانا ظفر احمد صاحب نے اس سلسلے میں جو کام کیا نواب
زادہ لیاقت علی خاں نے اس کا اظہار اپنے اس خط میں کیا
جو انھوں نے مولانا ظفر احمد صاحب کو دفتر مرکزی مسلم لیگ دہلی
سے ڈھاکہ بھیجا تھا۔ خط مندرجہ ذیل تھا۔

۵۰-۵۰ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۵ء دہلی

محترم المقام زاد اللہ مکارمکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ ——— میں انتہائی مصروفیتوں
کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھ سکا۔ مرکزی اسمبلی کے
انتخاب میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا کی اور
اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت
رہی۔ آپ حضرات کا اس نازک موقعہ پر گوشہ عزلت سے
نکل کر میدان عمل میں اس سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بے حد
مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں
خصوصاً اس حلقہ انتخاب سے جہاں سے ہماری جماعت نے مجھے
کھڑا کیا تھا آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات
بڑی حد تک ختم کر دیئے ہیں بہر حال اس سے بھی بڑا سخت معرکہ
سامنے ہے، ہمیں اللہ کے فضل سے بڑی امید ہے کہ دشمنان
ملت اس معرکہ میں بھی خاسر و نامراد ہوں گے۔ امید ہے کہ آپ کو
اس عرصہ میں فرصت مل جائے گی اور آپ کی تحریریں اور تقریریں
مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتد بہ
حد تک ختم کر سکیں گی۔

والسلام مع الاکرام

لیاقت علی خاں

مولانا ظفر احمد صاحب کا تاریخی بیان

۱۹۴۵ء کے الیکشن میں بعض حضرات علماء کی رائے یہ تھی کہ کانگریس
کے ساتھ اشتراک عمل اس وقت مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید
ہے اس سلسلے میں انھوں نے یہ مثال بھی پیش کی کہ جب کونسلوں
اور میونسپل کمیٹیوں میں ہندوؤں کے ساتھ اشتراک جائز ہے
تو دوسرے معاملات میں کیوں نہیں۔ مولانا ظفر احمد صاحب
عثمانی نے اپنی پہلی فرصت میں ان حضرات کے موقف کی تردید
کی اور فرمایا "مسلمانوں کا مشرکوں کے ساتھ جدوجہد آزادی
میں اشتراک عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہل شرک غالب
نہ ہو، مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین
مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں چنانچہ سیر کبیر ص ۱۴۱ جلد ۳
میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اب فیصلہ اہل انصاف کے ہاتھ میں ہو
کہ کانگرس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے، یا حکم اسلام۔ رہا مطالبہ
پاکستان سو جبکہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالت
موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں میں جہاں مسلم اکثریت
ہے اسلامی سلطنت بنا لینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں
پر قائم کی جائے لازم اور ضروری ہے۔" کونسلوں کی مثال دیتے
ہوئے فرمایا "ان محکموں میں اشتراک ہندو مسلم صرف حقوق
غلامی میں اشتراک ہے۔ حکومت نے غلاموں کے سامنے روٹیوں کے
چند ٹکڑے ڈال دیئے ہیں کہ ان کو تقسیم کر لو۔ ہندو مسلمان ان کو
حصہ رسدی تقسیم کرتے ہیں اگر کوئی فریق اپنا حصہ نہ لے گا تو بھوکا
رہے گا اس کو اس اشتراک عمل سے جس کا نام جہاد آزادی دیا گیا ہو
دور کی بھی نسبت نہیں۔ کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل جہاد آزادی
میں اشتراک عمل ہے جس پر مذہبی حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں
کی آئندہ موت و حیات کا دارومدار ہے۔"

سلہٹ ریفرنڈم اور قائد اعظم سے تیسری ملاقات

قرارداد پاکستان منظور ہو گئی تو ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہم قائد اعظم سے ملنے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے سکرٹری کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ مولانا نے سوال کیا " کہ آپ ۱۴ اگست کو پاکستان لینا چاہتے ہیں جس میں صرف دو ماہ باقی ہیں دو ماہ میں تو ایک گاؤں بھی پوری طرح تقسیم نہیں ہو سکتا، ہندوستان کو آپ کس طرح تقسیم کریں گے ہمیں اندیشہ ہے کہ ۱۴ اگست کو پاکستان کی دستاویز آپ کے ہاتھ میں ہو گی نہ خزانہ ہو گا نہ فوج"۔ قائد اعظم نے فرمایا " لارڈ ماؤنٹ بیٹن بہت جلدی کر رہا ہے ۱۴ اگست تک تقسیم کا کام مکمل ہو جائے گا"۔ دوسرا سوال تھا کہ " پاکستان بننے کے بعد ان ہندوستانی مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا جو ہندوستان میں رہ جائیں گے ہمارے خیال میں آپ دو ڈھائی سال تک دہلی نہ چھوڑیں تا کہ اس مدت میں پاکستان کی تقسیم مکمل ہو کر ہر چیز اپنے حصے کی وصول کر لیں، نیز ہندوستانی مسلمانوں کو آپ کے قیام دہلی سے بڑی ڈھارس ملے گی"۔ قائد اعظم نے فرمایا " جیسے پاکستان میں ہندو رہیں گے ایسے ہی ہندوستان میں مسلمان ان کے خیال سے حکومت ہند مسلمانوں پر ظلم نہ کرے گی۔ اس کے بعد قائد اعظم نے فرمایا کہ مجھے سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔ مولانا نے عرض کی کہ " کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس ریفرنڈم میں لیگ کامیاب ہو"۔ فرمایا " میں کیوں نہ چاہوں گا سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور اگر سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم ہو جائے گا جیسے چائے اور ناریل وغیرہ اگر یہ علاقے پاکستان میں شامل نہ ہوتے تو پاکستان کو بیحد نقصان ہو گا۔ اس پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے کہا کہ آپ ہمیں ایک تحریر لکھ کر دیں کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنت کے موافق ہو گا، بغیر اس کے وہاں کے لوگ پاکستان کو ووٹ نہ دیں گے۔ کہنے لگے کہ جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو آئین اسلامی کے سوا اور کونسا ہو سکتا ہے۔

" میں اس قسم کی تحریر اس لئے نہیں دے سکتا کہ فتنہ پرور ہندو اس کا یہ پروپیگنڈہ کریں گے کہ پاکستان میں ہندوؤں کو مسلمان بنایا جائے گا۔ پاکستان بن جائے اور جمہوری طریقے سے اسمبلی میں اقلیت و اکثریت کے نمائندے آ جائیں تو اس کو پختگی کے ساتھ واضح کر دیا جائے گا کہ آئین تو اسلامی ہو گا مگر آئین اسلام میں ہر فرقے کو مذہبی آزادی ہو گی۔ دستور پاکستان کے غیر اسلامی ہونے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ میری طرف سے قوم کو کہہ دیں کہ میں نے کبھی قوم کو دھوکہ نہیں دیا جو میں کہہ رہا ہوں ہو کر رہے گا"۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور مولانا ظفر احمد صاحب نے ریفرنڈم کے لئے کام کی ذمہ داری لی۔ مولانا ظفر احمد صاحب چونکہ ڈھاکہ میں مقیم تھے لہذا سلہٹ کی ذمہ داری انہوں نے سنبھالی مولانا ظفر احمد صاحب نے فوراً اپنے احباب مولانا شمس الحق فریدپوری اور مولانا اطہر علی کو لکھا کہ وہ سلہٹ کا دورہ کریں۔ مولانا ظفر احمد صاحب واپس ڈھاکہ تشریف لائے۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں ان دنوں سلہٹ اور آسام کا دورہ کر رہے تھے۔ واپسی میں غفر گاؤں میں کانگرسی حضرات نے جلسہ میں گڑبڑ مچا دی، سلہٹ میں چونکہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید بڑی تعداد میں تھے، مولانا ہر سال رمضان بھی وہیں گذارتے تھے اور چونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ دیانتداری سے جمعیۃ علماء ہند کے موقف کو درست سمجھتے تھے اس لئے وہاں جمعیۃ علماء ہند کا بہت اثر تھا، مولانا ظفر احمد صاحب کے پاس احباب کے بے شمار خطوط آئے کہ یہاں آپ کا پہنچنا بہت ضروری ہے۔ ادھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں نوابزادہ لیاقت علی خاں کا تار پہنچا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کو جلد سلہٹ بھیجا جائے۔ غفر گاؤں کے مقام پر لیاقت علی خاں کے جلسے میں گڑبڑ ہوئی تو ایک آدمی مولانا کے پاس بھیجا کہ جلدی سے غفر گاؤں آئیں

چنانچہ مولانا غفر گاؤں کے لئے روانہ ہوئے جس گاڑی میں مولانا سوار تھے تو میمن سنگھ سٹیشن پر حسین شہید سہروردی مرحوم بھی اسی گاڑی میں سوار ہوئے ۔ معلوم ہوا کہ وہ غفر گاؤں میں گڑبڑ کی وجہ سے رات کو وہاں سے میمن سنگھ آگئے تھے ۔ اور اب دوسرے جلسے میں شرکت کے لئے پھر غفر گاؤں جارہے ہیں ، اس جلسہ کی صدارت مولانا ظفر احمد صاحب کو کرنی تھی ۔ جب آپ غفر گاؤں پہنچے تو مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے آپ کا استقبال کیا ۔ ظہر کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا ، مولانا نے اپنے خطبہ میں دلائل شرعیہ سے حمایت پاکستان کی ضرورت اور مخالفین کے شبہات کے جوابات بیان کئے ۔ جلسہ بڑے سکون اور آرام سے ہوا اور شروع سے آخر تک کوئی ہنگامہ نہ ہوا ۔ اس کے بعد مولانا پھر تھانہ بھون واپس آگئے لیکن اسی اثنا میں ڈھاکہ سے تار پر تار آنے شروع ہوگئے کہ نواب زادہ لیاقت علی اور خواجہ ناظم الدین کا تقاضا ہے کہ آپ جلد از جلد سلہٹ روانہ ہوں ، چنانچہ آپ ایک ہفتہ کے اندر ڈھاکہ پہنچے وہاں سے حضرت مولانا سہول صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہمراہ لیا اور سلہٹ کے مضافات میں دو چار مقامات کا دورہ کیا جو پاکستان کے مخالف تھے ۔ اب پولنگ میں دو روز باقی تھے ۔ اتفاق سے اس وقت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہو رہا تھا ، جس میں اطراف سلہٹ سے لاکھوں لوگ آئے تھے جن کے خیمے شاہ جلال کی مسجد کے چاروں طرف لگے ہوئے تھے ۔ یہ تجویز پیش کی گئی کہ اسی مسجد میں جلسہ کیا جائے ، چنانچہ لاؤڈ اسپیکروں کا انتظام کیا گیا تاکہ خیموں کے اندر بھی آواز پہنچ سکے ۔ عشاء کی نماز کے بعد مولانا شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے ، اور پاکستان کی کامیابی کی دعا کی ۔ اس کے بعد جلسہ کا آغاز ہوا ۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر آپ کو پاکستان پر کچھ شبہات ہوں تو مجھ سے بیان کریں میں ان کا جواب عرض کروں عوام کو نہ بہکائیں کیونکہ وہ آپ کے شبہات کا جواب نہیں دے سکتے اس مجمع میں اندازہ ہے کہ تقریباً ایک لاکھ آدمی موجود تھے ۔ سلہٹ کے حضرات نے مولانا کی تقریر بڑے اطمینان سے سنی ۔ کسی نے بھی کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ مولانا نے خود ہی ان کے تمام شبہات کا جواب دے دیا تھا ۔ ان کا سب سے بڑا شبہ یہ تھا کہ پاکستان اسمبلی میں ہندو بھی ہوں گے تو وہاں اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوگی ۔ مولانا نے فرمایا کہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی ہندو ہمارے تابع ہوں گے ۔ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے ہوں گے تو اسلامی حکومت ہونے میں کیا شک ہے ۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ یہود مدینہ و مشرکین سے کیا تھا اس میں یہ صراحت موجود تھی کہ ہم سب مل کر ایک ہیں اور بصورت اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سب کو ماننا پڑے گا تو کیا یہ اسلامی مملکت نہ تھی ۔ بعض علماء کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ سارے ہندوستان کو چھوڑ کر صرف مسلم اکثریت کے صوبوں میں پاکستان کیوں بنایا جارہا ہے سارے ہندوستان کو پاکستان بنانا چاہئے ۔ مولانا نے اس شبہ کا جواب دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو کفار قریش کے ہاتھ میں چھوڑ کر مدینہ میں اسلامی حکومت قائم کی تھی کیونکہ وہاں کی فضا سازگار تھی اس طرح مسلم اکثریت کے صوبوں کی فضا پاکستان کے لئے سازگار ہے ۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اگر سارے ہندوستان کی فضا پاکستان کے لئے سازگار نہیں تو جہاں کی فضا پاکستان کے لئے سازگار ہے وہاں بھی پاکستان نہ بنایا جائے بلکہ شرعاً ہم پر واجب ہے کہ جہاں ہم کو حکومت اسلام قائم کرنے کی قدرت حاصل ہو وہاں ضرور حکومت اسلام قائم کریں ۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکومت اسلامی قائم کی تو مکہ کے حالات دارالاسلام بنانے کے لئے دشوار تھے ، مدینہ کو دارالاسلام بنانا آسان تھا بعد میں مکہ کو بھی دارالاسلام بنایا گیا ۔ مولانا نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی ۔ اس تقریر میں مولانا نے لیگ والوں کو بھی تلقین کی کہ پاکستان اللہ کے لئے اور بلندی اسلام کے قائم کرنے کی نیت کریں دنیوی فائدے کے لئے نہیں جب ہی نصرت الٰہی آپ کے ساتھ ہوگی ۔

اس دورہ میں مولانا محمد سہول صاحب بھی آپکے ساتھ تھے۔ وہ ایک روز خوش ہو کر فرمانے لگے "الحمد للہ پاکستان کے بنانے میں عثمانیوں کا بہت ہاتھ ہے۔ آپ بھی عثمانی ہیں میں بھی عثمانی ہوں اور مولانا شبیر احمد بھی عثمانی ہیں"۔ مولانا ظفر احمد نے فرمایا کہ دعا کیجیے کہ سرحد اور سلہٹ کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں ہو جائے"۔ فرمایا "انشاء اللہ ہو جائے گا"۔

مولانا ظفر احمد صاحب پولنگ کے دن تک سلہٹ میں مقیم رہے جس دن پولنگ ہونا تھا اس روز مولانا نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر ذرا بیٹھے بیٹھے سو گئے خواب میں دیکھا کہ "جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ بھائی بھائی ہیں" کے نعرے لگ رہے ہیں، دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں کوئی اختلاف نہیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کر پولنگ اسٹیشن پر گئے تو دیکھا کہ جمعیۃ علماء اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں کہ جمعیۃ علماء اور لیگ بھائی بھائی ہیں۔ شام کو پولنگ اسٹیشن سے اطلاع ملی کہ مسلم لیگ ۵۰ ہزار ووٹ سے جیت گئی ہے اور سلہٹ پاکستان میں شامل ہو گیا ہے مولانا نے شکرانے کے نفل پڑھے اور ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔ نوجوان رضا کاروں نے ریلگاڑی کے انجن پر پھولوں کے ہار اور مسلم لیگ کا پرچم لہرا دیا سلہٹ سے ڈھاکہ تک پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح اور مولانا ظفر احمد صاحب دونوں نے قائد اعظم اور لیاقت علی خاں کو مبارکباد کے تار دیے تو انھوں نے فرمایا کہ مبارکباد کے مستحق تو آپ ہی ہیں یہ ساری کامیابی علماء کی بدولت ہوئی ہے۔

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کے لئے خواجہ ناظم الدین مرحوم نے مولانا ظفر احمد صاحب کی سابقہ خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو مدعو کیا۔ مولانا نے انا فتحنا لك کی آیات تلاوت کیں۔ تمام وزراء اور عمائد مسلم لیگ خاموش باادب سنتے رہے، بسم اللہ کرکے مولانا ظفر احمد صاحب نے پاکستان کا پرچم لہرایا۔

(بقیہ "خواتین اسلام")

کے مطابق زندگی گذارتے ہوں فرائض کے پابند ہوں اور محرمات سے پرہیز کرتے ہوں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے مالداری پسند نہ فرمائی بلکہ مسکین رہنے اور مسکینوں میں حشر ہونے کی دعا فرمائی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ابْغُوْنِیْ فِیْ ضُعَفَائِکُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۴۷)

(یعنی تم میری رضامندی غریبوں کی خدمت اور ہمدردی و دلداری) میں تلاش کرو کیونکہ تم کو کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور ان کی وجہ سے مدد ہوتی ہے)

حضرت امیہ بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مہاجرین کا واسطہ دیکر اللہ تبارک وتعالیٰ سے فتحیابی کی دعا فرمایا کرتے تھے جو نادار تھے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۴۷)

جو لوگ مالداری کے گھمنڈ میں غریبوں کو حقیر جانتے ہیں کیسے غافل ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کی وجہ سے ہم کو رزق مل رہا ہے۔ بعض لوگ ماں باپ سے غافل ہو جاتے ہیں، بڑھاپے میں ان کو بے سہارا چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ ضعیفوں کا وجود سبب رحمت ہے۔

محمد حفیظ اللہ پھلواروی۔ کراچی

مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں!

مسٹر ایم۔ ان۔ رائے اپنی کتاب "اسلام کا تاریخی
نامہ" میں لکھتے ہیں کہ "اسلام نے بتایا ہے کہ محنت انسان
عزت دیتی ہے، اس نے تجارت کو وہی مرتبہ دیا جو
است، ادب اور سائنس کو۔ بغداد کے خلفاء، بڑے
ے تجار تھے متقبلین تو جسمانی محنت ہی سے روپیہ کما کر اپنی
وریات پوری کیا کرتے تھے...... عرب زیادہ تر فلسفی اور
یب امیر تاجر طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ سمرقند اور بخارا
ے درباروں کی تہذیب، افریقہ کے فاطمی فرماں رواؤں کا
رو سخا اور سلاطین اندلس کی شان و شوکت سب کچھ
ارت ہی کا نتیجہ تھیں، انھوں نے رعایا پر زبردستی ٹیکس
اکر اپنی ضرورت میں اضافہ نہیں کیا...... ۸۰۰ء
ے ۱۱۰۰ء تک ایک طرف ہندوستان اور چین تو دوسری
ف یورپ کی کل تجارت عربوں کے ہاتھ میں تھی۔ قیمتی سامان
ے لدے ہوئے قافلوں کے ساتھ ہزاروں تاجروں کی
مد و رفت چین، ہندوستان، مراکش، اور ہسپانیہ تھی۔

گستاؤلیبان اپنی کتاب "تمدن عرب" میں رقمطراز
ہے کہ "عربوں کی تجارتی کوشش ان کے علوم و فنون اور حرفت
کوششوں سے کچھ کم نہ تھی۔ اسی زمانہ میں جبکہ یورپ کو
شرق کے دور دراز حصوں کی خبر تک نہ تھی، جبکہ افریقہ
باستثنا چند سواحل کے ایک نامعلوم حالت میں تھا، عربوں
کے تجارتی تعلقات ہندوستان و چین اور وسط افریقہ
اور یورپ کے غیر مشہور ممالک مثل روس، سویڈن اور ڈنمارک
کے ساتھ موجود تھے۔"

فرسکو بالڈی جو فلارنس کا باشندہ ہے لکھتا ہے کہ
"اس زمانہ میں (۱۳۸۰ء) قاہرہ کی بندرگاہ میں وینس اور
جینوا سے بھی جہازوں کی آمد و رفت تھی۔ دریائے نیل پر
چھتیس ہزار کشتیاں تھیں جو تجارتی مال لے جاتی تھیں۔
جہازی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی اور اسی کے ذریعہ
سے کل یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے سواحل سے تجارت
ہوتی تھی، ایک مدت دراز تک سارا بحر متوسط عربوں ہی کے
قبضہ میں رہا...... عدن میں چین اور ہندوستان کی پیداوار
مصر اور حبش کی پیداوار سے بدلی جاتی تھی یعنی نوبہ کے غلام اور
ہاتھی دانت اور سونے کے برادے اور چین کے حریر اور چینی کے
برتنوں اور کشمیر کی شال اور مصالحے اور عطریات اور بیش بہا
لکڑیوں کا باہم بدل ہوتا تھا۔ تجار عرب چین میں جواہرات
مونگا، گھوڑے، سوتی کپڑے اور سرج وینس کا کپڑا وغیرہ
لے جایا کرتے تھے۔ اس کے بدلے وہاں سے اطلس، کمخواب،
چینی کے برتن، چائے اور اقسام الادویہ لاتے تھے۔"

فان کریمر لکھتا ہے کہ "جس زمانہ میں عرب تاجر یا ان کے گماشتے وسط ایشیا میں ہر جگہ پہنچے ہوئے تھے۔ نیز جبکہ وہ بحیرۂ خزر اور بحر اسود میں تجارت کے لئے سفر کر رہے تھے اور اندلس اور صقلیہ کے راستے ممالک یورپ کے ساتھ بڑے منافع سے تجارت کر رہے تھے، اسی زمانے میں افریقہ کی سرزمین بھی ان کی تجارت گاہ بنی ہوئی تھی۔ تجارتی ضرورتوں سے ان کے شہر بحر اوقیانوس کے جنوبی ساحل کے تمام علاقوں میں پھیلتے چلے گئے۔ اور انھوں نے دیکھتے ہی دیکھتے رونق و ترقی کے انتہائی مدارج طے کر لئے۔ ان ہی شہروں سے عربوں کے تجارتی قافلے سوداگری کا مال لے کر چلتے اور صحرائے اعظم سے گذرتے ہوئے افریقہ کے قلب تک پہنچتے تھے۔ اگر ایک طرف ان قافلوں کی رسائی وسط افریقہ کے بڑے بڑے دریاؤں تک تھی تو دوسری طرف اسی براعظم کی جھیل چاڈ تک پہنچی ہوئی تھی اس کے علاوہ ان کے جہاز مصر اور عرب سے مشرقی ساحل تک آتے جاتے تھے۔ ان کی یہی تجارت تھی جس نے زیلع، مقدشو اور سفالہ جیسے تجارتی شہر آباد کر دیئے۔ ان کو مستحکم کر دیا اور پُر رونق بنا دیا۔ ان ممالک سے ہاتھی دانت اور غلام جن کی یہاں بہتات تھی خاص طور پر درآمد ہوتے تھے۔

"ان کا اثر جزیرہ سیلون تک اتنا پڑا کہ ساتویں صدی عیسوی میں عرب تاجروں نے وہاں اپنی آبادی قائم کر لی۔ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی (پہلی اور دوسری ہجری) میں ہندوستان کا مغربی ساحل عرب تاجروں کی نوآبادیوں سے بھر گیا۔ (مسلمانوں کی تجارت)

فلپ کے ہٹی اپنی کتاب "عرب اور اسلام" میں لکھتا ہے کہ "بغداد اور دوسرے برآمد کے مرکزوں سے عرب تاجر مشرق بعید یورپ اور افریقہ کے کپڑے، جواہرات، فلزی آئینے، شیشہ کا سامان اور گرم مسالہ، جہازوں کے ذریعہ بھیجا کرتے تھے۔ حال ہی میں عربی سکوں کے دفینے شمالی روس، فن لینڈ، سویڈن اور جرمنی جیسے دور دراز علاقوں میں برآمد ہوئے ہیں۔ یہ دفینے اسی بات کے شاہد ہیں کہ اسی زمانے میں اور اس کے بعد کے زمانے میں مسلمانوں کی تجارت ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کے درمیان میں مسلمان تاجر مشرق میں بری اور بحری دونوں راستے سے چین تک پہنچ چکے تھے، اور ادھر انھوں نے جزیرہ زنجبار اور افریقہ کے جنوبی ساحلوں کے آخری سرے تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ شمال میں وہ روس میں در آئے تھے لیکن مغرب میں ان کی حیرت انگیز پیش قدمی صرف ہولناک "بحر ظلمات" بحر اوقیانوس کی وجہ سے رک گئی۔

"اسلامی اسپین کی صنعتی اور زرعی پیداوار ملک کی ضرورت سے زیادہ ہوا کرتی تھیں۔ اشبیلیہ اسپین کا ایک زبردست دریائی بندرگاہ ہے۔ یہاں روئی، زیتون اور تیل برآمد کیا جاتا تھا۔ اور مصر سے کپڑا، غلام اور یورپ سے گانے والیاں درآمد کی جاتی تھیں۔ مالقہ اور جیان کی بندرگاہوں سے جو چیزیں برآمد ہوتی تھیں ان میں زعفران، انجیر، سنگ مرمر اور شکر بھی شامل تھی۔ اسکندریہ اور قسطنطنیہ کے ذریعے اسپینی پیداواروں کو ہند اور وسطی ایشیا جیسے دور دراز علاقوں تک منڈی حاصل ہو گئی تھی۔ خاص کر دمشق، بغداد اور مکہ سے بڑی سرگرم تجارت ہوا کرتی تھی۔

موسیو سدیو اپنی کتاب "تاریخ عرب" میں لکھتا ہے کہ دمشق، بغداد، بصرہ، مرو، ہرات، بخارا، قرطبہ صرف علوم و فنون ہی کے مرکز نہ تھے بلکہ تجارت کے بھی مرکز تھے۔ اسلامی قافلے اور جہاز قرطبہ سے لے کر چین کے مشرقی ساحل تک خشکی اور سمندر کو اپنا جولان گاہ سمجھتے تھے اور کوئی قوم ان کا مقابلہ کرنے والی نہ تھی۔

ایس پی اسکاٹ کا بیان ہے کہ "تقریباً فتح اندلس کے ساتھ ہی بڑے پیمانہ پر تجارت شروع ہو گئی، چونکہ تمام سمندروں میں خلفاء کے جہازوں کا بیڑا پھرتا رہتا تھا، اس لئے

سمندران کے قبضہ میں تھا - اس طرح تجارتی آسانیاں اور بھی بڑھ گئیں۔ دنیائے مسیحی کے تمام بازاروں میں المیریا اور ملاقہ کی بڑی کوٹھیوں سے تجارتی تعلقات بڑھ گئے۔

قسطنطنیہ، وینس اور جینوا کے مال تجارت کو قرطبہ اور اندلس کے اور شہروں نیز ملک مغرب کے بازاروں میں خریدار مل گئے، مسلمانوں کی بے باک تجارت صرف بحری تجارت ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ ان کے گماشتے اُن تمام ممالک میں نظر آتے تھے جہاں تہذیب کے اثرات و بلند نظری پہنچی ہوئی تھی، ان کے قافلے پورے بے خوفی اور سرعت کے ساتھ یورپ کے جنگلوں حبش کے صحراؤں، وسط ایشیا کے وسیع علاقوں اور ہندستان کے دلدلوں اور جنگلوں میں نظر آتے تھے۔ جو تاجر بحر روم کے ذریعے سے تجارت کرتے تھے وہ دنیا کے تمام مہذب ممالک تک پہنچتے تھے خلیج بسکے کی راہ سے ان کے جہاز فرانس اور برطانیہ کے سواحل تک پہنچتے تھے۔

دسویں صدی میں تاجران اندلس و صقلیہ نے عملی طور پر بحیرہ روم کی تجارت بالکلیہ اپنے ہاتھ میں لے لی...... مسلح جہاز سواحل پر گشت لگاتے رہتے تھے، اور تجارتی جہازوں کی سمندر میں حفاظت کرتے تھے مسلمانان اندلس کی ملکی تجارت غالباً ان کی بحری تجارت سے اہمیت میں کسی طرح کم نہ تھی۔ ساحل سکینڈی نیویا SCANDINAVIA (سویڈن اور ناروے کا علاقہ۔ اور جرمن اور پولینڈ کے دریاؤں کے کنارے پر مسلمانان اندلس کے جو بے تعداد سکے اور زیورات وقتاً فوقتاً ملتے رہتے ہیں وہ تحقیق پر بہ نسبت کسی تحریری تواریخ کے اس کو ثابت کرتے ہیں کہ جزیرہ اندلس کے منچلے سوداگر وہاں تک پہنچتے رہتے تھے۔ خلفائے اندلس کے سفرا، تجارتی اغراض کے لئے ہندوستان، چین اور ایران میں رہتے تھے۔

مسلمانوں کی تجارت ان تمام ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی جو اس زمانہ کے ملاحوں اور ناخداؤں کو معلوم تھے، ان کے اشیاء تجارت کی خوبصورتی ایسی تھی کہ کوئی دوسری قوم ان کے گرد تک نہیں پہنچتی تھی!"

(ماخوذ اخبار الاندلس)

میریا کالی کٹ کے بیان کے مطابق "اسپین کے مسلمانوں کے جہاز تمام یونانی شہنشاہیت کے بندرگاہوں میں گذرتے تھے اور افریقہ مسقر سائبیریا کے ساتھ تجارت کو غائت درجہ ترقی دی اور اسپین کی دھات ان جہازوں پر دوسرے ملکوں میں لے جاتے تھے۔ اور دوسرے ملکوں سے دستکاری کا اسباب و اشیاء جہازوں پر لاتے تھے (تاریخ اسپین)

ہیرلڈ لیمب اپنی کتاب "تیمور" میں لکھتا ہے کہ "تہذیب و تمدن کی نعمتیں، کپڑا، کتان، گرم مسالہ، ریشم لوہا، فولاد، چینی کے ظروف۔ ان سب کے لئے یورپ کی نظریں مشرق کی طرف لگی رہتی تھیں۔ چاندی، سونا، جواہرات سب مشرق ہی سے آتے تھے۔ اس خشکی کی تجارت سے وینس اور جینوا کی ریاستوں کو بڑا عروج حاصل ہو گیا تھا۔

"تیمور کی فتوحات نے بلاد مغرب۔ کے سیاسی حالات میں ایسا انقلاب پیدا کیا جس سے یورپ کے دن پھر گئے۔

تیمور نے ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں تجارت کی راہیں جو سو برس سے بند پڑی تھیں کھولدیں۔ تجارت کا مرکز پہلے بغداد تھا جو یورپ سے دور پڑتا تھا، تیمور نے تبریز کو تجارت کا صدر مقام بنا دیا جو یورپ کے قریب تھا تیمور کی وفات کے بعد جو فساد برپا ہوئے انہوں نے ایشیائے عظمیٰ کی تجارت کو جو خشکی کے راستوں سے ہوتی تھی کم کر دیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ یورپ سے کولمبس اور واسکوڈی گاما سمندر سے ایشیا کا راستہ نکالنے پر کمربستہ ہو گئے تھے۔

"مارکوپولو لکھتا ہے ——— " زمانہ ۱۲۷۰ء کے قریب کا ہے توریز (تبریز) ایک بہت بڑا خوشنما شہر ہے اس کا موقع اتنا اچھا ہے کہ بغداد، ہندوستان اور گرم سیر ملکوں کا مال تجارت یہاں آتا ہے۔

فراڈوریک FRADDERIC نے اپنے سفرنامے میں تحریر کیا ہے کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ تمام دنیا میں سب سے بہتر شہر تجارت کے لئے تبریز ہے۔

آرمینیس ویمبرے سمرقند کے سلسلے میں بیان کرتا ہے
سمرقند تمام ایشیائی تجارت کا مرکز بن گیا۔ ملک کے اندر بہت وسیع تجارت ہوتی تھی۔ قافلے ہندوستان سے سیاہ مرچ، ظروف، مشک، خوشبودار چیزیں اور قیمتی پتھر لاتے تھے۔ وسیع سلطنت کے شمالی حصے صحرائے قیمتی کھالیں اور پوستینیں بھیجتے تھے۔ ان مختلف ملکوں کی چیزیں سمرقند کے بازاروں میں اکثر فروخت کی جاتی تھیں اور ملک سے برآمد ہوتی تھیں۔ یہ اشیاء صرف ایشیاء کے بڑے شہروں کو ہی نہیں بلکہ یورپ کے مختلف حصوں میں بھی جاتی تھیں۔ تجارت کا بڑا راستہ خوارزم، استرآباد، نشنی ناو گراڈ اور ماسکو، پھر وہاں کے جرمنی کے شہروں کو جاتا تھا۔ دوسرا راستہ ہرات قزوین، تبریز، طرابزون اور وہاں سے وینس، جینوا یا کے سوداگروں کے ذریعہ یورپ پہونچتا تھا۔ وہ زمانہ عام بدامنی اور جنگوں کا زمانہ تھا۔ تاہم یہ راستے بالکل محفوظ تھے اور جن ملکوں میں تیمور کا اثر تھا وہ برابر تجارت کے لئے کھلے تھے۔"

(تاریخ بخارا)

مختار علاؤ الدین کا بیان ہے کہ تیرھویں صدی سے پندرھویں صدی کی تک دور بہت وسیع پیمانہ کی تجارت کا زمانہ تھا جس مسلمانوں نے ایک طرف تو ہندوستان اور چین کے درمیان اور دوسری طرف یورپ اور عرب کے درمیان وسطے میں ہونے کی حیثیت سے بڑی دولت پیدا کی۔ پندرھویں صدی کے اختتام تک بحر ہند پر عربوں کا تسلط جاری رہا۔ ان کے جہاز اس سمندر پر آنے جانے میں مشغول رہتے تھے بحر ہند کے ساحل پر دیکھ دیکھ کر لوگ بہت مانوس ہوگئے تھے۔

جب واسکوڈی گاما نے ۱۴۹۸ء میں ہندوستان کا بحری سفر اختیار کیا تو جہاز کے کپتان احمد بن ماجدی نے اس کو راستہ دکھایا تھا۔ مشرق کی جو تجارت جنوبی چین کے راستہ ہوتی تھی اس کا ایک بڑا حصہ شامی ساحلوں تک پہنچنے کے لئے عراق ہو کر گزرتا تھا، اور یہاں سے یہ تجارتی سامان جہازوں کے ذریعہ یورپ روانہ کیا جاتا تھا جب مال تجارت سمندر کے راستے آتا جیسا کہ بیشتر سامان کے لئے ہوا کرتا تھا تو وہ عدن پر اور بعض اوقات جدہ پر جزیرہ عرب کو چھوتا ہوا مصر جاتا اور یورپین تجار اسے لے لیا کرتے۔ یورپ خصوصاً اطالوی جمہوریتوں کے ساتھ ان کے تجارتی تعلقات بڑے عروج پر تھے۔ وینس جینوا، پیسا، امالفی اور دوسری شہری مملکتوں کے تجارتی جہازوں کے بیڑے حیوانات کی تجارت کیلئے بڑی تعدادوں پر ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے۔۔۔۔

(عرب دنیا)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اِس مہینے میں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رہ کا مضمون ماہنامہ "الامداد" شعبان ۱۳۳۳ھ سے ماخوذ ہے۔ (محمود اشرف)

۱) پندرھویں شب شعبان میں مُردوں کے لئے گورستان میں جا کر دعا، استغفار کرنا مستحب ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔

۲) اگر کچھ صدقہ خیرات، یا کھانا وغیرہ پکا کر بھی بخشدیا جائے مضائقہ نہیں۔

۳) اس شب میں بیدار رہ کر عبادت کرنا خواہ خلوت میں یا جلوت میں افضل ہے لیکن اجتماع کا اہتمام نہ کیا جاوے۔

۴) پندرھویں تاریخ شعبان کو روزہ رکھنا مستحب ہے اور بہت فضیلت آئی ہے۔

۵) ۲۹ شعبان کو اگر چاند نظر نہ آوے تو ۳۰ کو گیارہ بجے تک شہادت کا انتظار کرنا چاہیے، اس خیال سے روزہ رکھنا کہ اگر رمضان ثابت ہوگیا تو یہ روزہ رمضان میں محسوب ہو جائے گا ورنہ نفل ہو جائے گا یہ مکروہ ہے اس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

۶) شعبان کے چاند کو اہتمام سے دیکھنے اور اس کی تاریخوں کا رمضان المبارک کے لئے خاص طور سے یاد رکھنے کا حدیث شریف میں حکم آیا ہے۔

۷) شب براءت کو خصوصیت کے ساتھ حلوا پکانا اور اس کو حکم شرعی جاننا زیادت فی الدین بدعت ہے۔

۸) اس حلوے کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضورؐ کا دندان مبارک جب شہید ہوا تھا تو آپؐ نے حلوا نوش فرمایا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ امیر حمزہ رضؓ کی شہادت اسی دن میں ہوئی تھی یہ ان کی فاتحہ ہے۔ یہ سب بے اصل ہے یہ دونوں واقعے شوال کے ہیں۔

۹) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شب براءت سے پہلے اگر کوئی مر جاوے اور شب براءت کو اس کی فاتحہ نہ دلائی جاوے تو وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ بالکل لغو ہے۔

۱۰) بعض لوگ اس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں یہ بھی بے اصل ہے۔

۱۱) آتشبازی کے لئے اپنے بچوں کو پیسے دینا یا ان کے لئے خریدنا یا کسی قسم کی اعانت اس کے متعلق کرنا بھی ناجائز ہے۔

۱۲) آتشبازی مطلقاً خصوص اس رات میں بالکل معصیت ہے۔

۱۳) ۱۴ ؍ تاریخ شعبان کو تیوہار منانا اور عید بقرعید کی طرح بچوں کو کپڑے پہنانا اور عیدی دینا بے اصل ہے۔

۱۴) مکتب کے معلموں کو اس دن میں مثل عید کے تعطیل بھی نہ کرنا چاہیے۔

۱۵) اس شب میں برتنوں کا بدلنا اور گھر لیپنا اور چراغوں کا زیادہ روشن کرنا بلا دلیل ہے۔

جناب بیدل فاروقی - واہ کینٹ

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

محبوب حق جو عازمِ عرشِ علٰے ہے آج
خورشید زیرِ دامنِ شب چھپ گیا ہے آج

شبنم ہے عطر بیز معطر فضا ہے آج
محبوب پاس اپنے محب کے گیا ہے آج

معراج کی ہے شب درِ رحمت کھلا ہے آج
شانِ حبیب خالقِ کل رونما ہے آج

عالم تمام ذکرِ نبیؐ کر رہا ہے آج
"ہر ذرہ کی زبان پہ صلِّ علٰے ہے آج"

وقت دعا ہے بابِ اثر کھل گیا ہے آج
مانگو اٹھا کے ہاتھ جو کچھ مانگنا ہے آج

اللہ! یہ علوِّ مراتب حضورؐ کا
اللہ عزّ و جل کا سلام آ رہا ہے آج

وہ سید البشر ہے بشیر و نذیر ہے
معراج مصطفٰےؐ سے یہ ثابت ہوا ہے آج

دونوں جہاں کے سارے حجابات اُٹھ گئے
گویا کہ لامکاں سے مکاں مل گیا ہے آج

روزِ ازل سے عرش کو تھی جس کی آرزو
وہ نورِ اولین مجسّم گیا ہے آج

یہ تو نبیؐ کی منزلِ اول ہے جبرئیل!
یعنی کہ سدرہ، تیری جہاں انتہا ہے آج

فردوس گوش اس کا بہار آفریں کلام
خلد نگاہ اس کا ہر اک نقشِ پا ہے آج

آؤ کہ ہم بھی اس پہ کریں جان و دل نثار
روح الامین جس کی ادا پر فدا ہے آج

گرداب غم ہے اور مری کشتیٔ حیات
اے مرکزِ امید تو ہی ناخدا ہے آج

میں پیکرِ گناہ ہوں تو رحمتِ تمام
اے رحمتِ تمام ترا آسرا ہے آج

مجھ کو بھی اپنے دامنِ رحمت میں لیجئے
با اشک و آہ بس یہ مری التجا ہے آج

دیجے مجھے بھی اذن سفر از رہِ کرم
میرے بھی دل میں حسرتِ خاکِ شفا ہے آج

تیرے دیارِ پاک کی مٹی نصیب ہو
موت آئے مجھ کو در پہ ترے یہ دعا ہے آج

دِل میں بس اک امیدِ نگاہِ کرم لئے
بیدل حضورِ قلب سے محوِ دعا ہے آج

جناب سید محمد جمیل صاحب
صدر انجمن اشاعت قرآن عظیم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝

کوریا میں اسلام کی کرنیں

میرے پاکستان سے کوریا جانے کا سبب کوریا سے آئے ہوئے دو مسلمان تھے، فی الحقیقت انہی دو مسلمان حضرات نے مجھے اس سفر کے لئے آمادہ کیا۔ یہ حضرات کراچی اس مقصد سے آئے تھے کہ اسلام کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ اور ان معلومات سے اپنے ہم وطنوں کو بہرہ ور کریں۔ (در اصل کوریا کی مسلم اقلیت اس دور کی یادگار ہے جس زمانہ میں ترک بریگیڈ "سیول" میں متعین تھی، اور اس کی ضیا پاشیوں کے زیر اثر بعض عیسائیوں نے اسلام قبول کیا تھا) میں اس کو اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ کوریا کے دو مسلمان حصول تعلیم کے لئے میرے یہاں مہمان کی حیثیت سے ایک سال تک قیام پذیر رہے

اسلام کی صداقت؛ اس کی سادگی اور مطابق فطرت ہونے کا علم چند کوریائی باشندوں کو اس وقت ہوا جب ترک بریگیڈ کے چند فوجیوں سے انھیں سابقہ ہوا، انھوں نے ان فوجیوں کا جنگ کے دوران عام برتاؤ اور شہر کی زندگی میں ان کی رفتار، گفتار کا مطالعہ کیا۔ ان کے سوا اور لوگ بھی جنھیں ان ترکوں کو قریب سے دیکھنے کے مواقع ملے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے در اصل یہی واقعہ "سیول" میں مسلمانوں کی اقلیت کے وجود میں آنے کا سنگ بنیاد ہے۔ اور یہ اقلیت بیرونی امداد کے بغیر روز بروز پھیلتی جا رہی ہے۔

میں یہ چاہتا تھا کہ معاملہ کے مختلف پہلوؤں کا میں خود پہلے پہل مطالعہ کر لوں۔ اس کے بعد اشاعت اسلام کے مسئلہ پر اپنی رائے قائم کروں۔ چنانچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر میں ۳ نومبر ۱۹۶۶ء کو "سیول" پہنچا۔ میں نے یہاں ایک مسجد عارضی طور سے قائم کی جس میں مسلمان جمع ہونے لگے، یہی مسجد میرا مستقر تھا۔ میں اپنا پورا وقت اسی مسجد میں گزارتا تھا۔ میری لوگوں سے ملاقاتیں اسی مقام پر ہوتیں اس کے علاوہ میں خود بھی ان کے گھروں اور ان کے کاروبار کے مقامات کو جایا کرتا تھا، میرا گذر ان کالجوں میں بھی ہوا جہاں لڑکے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ میرا یہ تجربہ حیرت انگیز طریقہ پر نفع بخش ثابت ہوا، میرا کوریا میں قیام کا ارادہ صرف دو ہفتہ کا تھا۔ میں نے اس میں مزید دو ہفتہ کی توسیع کرائی تاکہ اور زیادہ میل جول کا موقع میسر آجائے۔ اور اسی طرح سے میری معلومات میں مزید اضافہ ہو۔ مشہور مفکرین سے جن میں سے بعض یونیورسٹی کے منسلک تھے اور بعض شہر کے نامی گرامی لوگ تھے میری ملاقاتیں ہوئیں۔ ان حضرات کی خواہش پر میں نے اسلام کے موضوع پر وائی، ایم، سی، اے اور اسی قسم کے دوسرے اداروں میں چند تقریریں کیں، ان اداروں سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات مجھ سے ملنے کے لئے مسجد تشریف لائے تاکہ اسلام کے متعلق اور

میرے لیکچروں کے بعض نکات کے بارے میں وضاحت کے ساتھ معلومات حاصل کریں۔ خدا کے فضل سے ان ملاقاتوں کا نتیجہ بہت حوصلہ افزا رہا۔ تعلیم یافتہ لوگوں میں کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا۔ ان میں سے بعض تو اساتذہ تھے اور بعض ڈاکٹر اور بعض صنعت کار تھے۔ ان ہی مصروفیتوں کے باعث باوجود اس امر کے کہ "سیول" میں سردی انتہائی درجہ کی تھی، مجھے اپنے ویزا کی مدت میں مزید توسیع کرانی پڑی۔ میں نے اپنے کام کو ختم کر کے براہ جاپان پاکستان جانے کے لئے رخت سفر ۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء کو باندھا۔

شکر کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو کچھ کام مجھ سے ہوا وہ اپنے نتائج و فوائد کے لحاظ سے قابل تشکر و امتنان رہا۔

میری کوشش خاص طور سے کالج اور اہل صنعت و حرفت کے طبقات میں بیحد مقبول و مشکور ہوئی۔ اخبارات مقامی و غیر مقامی کے چند نامہ نگار اور جرائد کے مددگار مدیر بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ کوریا کے سپریم کورٹ کے وظیفہ یاب جج نے بھی جن کا شمار ملک کے اچھے لکھنے والوں میں ہے اور جو چند کتابوں کے مصنف بھی ہیں انہی چھ ہفتوں کے دوران میں مسلمان ہوئے۔ ایسے نومسلم حضرات کا اوسط فی یوم ۳ یا ۴ کے حساب سے رہا۔ اور بعض ایام میں ایسا بھی ہوا کہ تعلیم یافتہ جماعت کے آٹھ آدمی اسلامی برادری میں قبول اسلام کی سعادت کے بعد داخل ہوئے۔ ان چھ ہفتوں میں جو ۱۴ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ختم ہوتے ہیں نئے سرے سے اسلام لانے والوں کی فہرست مرتب کی گئی جو منسلک ہذا ہے۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا اعتماد ہے، اور اس کا یقین کامل ہے کہ میری اشاعت اسلام کی مساعی کو حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے شرف قبول بخشا ہے۔ یہ بے شبہ ہے کہ اگر ہم اس کام کو اسی طرح مسلسل طریقہ پر جاری رکھیں اور ہمارے ساتھ ہاتھ بٹانے والے چار مخلص کارکن بھی شامل رہیں تو انشاء اللہ نومسلموں کی برادری میں دس ہزار کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور یہ جماعت "سیول" میں مسلمانوں کی وقیع اقلیت کا درجہ حاصل کرے گی۔ اگر ہم اپنی ان مساعی کے دوش بدوش تعلیمی سہولتیں بھی بہم پہنچاتے رہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ تین یا چار سال کے عرصہ میں یہ تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ کوشش لگاتار جاری رکھی جائے۔ اور کام کرنے والے مخلص اور بے ریا ہوں۔

یہ ان لوگوں کے تعاون و تعامل کا جذبہ اور مقصد کی لگن ہی تھی کہ میں باوجود انتہائی سردی کے اور باوصف اس کے کہ کوئی میرا ہاتھ بٹانے والا نہ تھا کوریا میں اتنے دنوں تک ٹھہرا رہا۔ میں خاص طور سے طلباء کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ میں نے ان کے قلوب کو تلاش حق کی سچی تڑپ سے سرشار پایا۔ ان میں سے بعض طالب علم تعلیم سے فراغت حاصل کر کے میرے ساتھ اسلامی تعلیم کے حصول کی خاطر رات بھر رہا کرتے تھے۔ ان نوجوانوں کا رات کے وقت اپنی راحتوں کو قربان کر کے اور کام و دہن کی ۔۔۔۔۔۔ لذتوں کو خیرباد کہہ کر مسجد کو سنبھالنا، نماز کی عربی عبارتوں اور اس کے الفاظ کو معنی کے ساتھ پڑھنا اور زبانی یاد کرنا۔ ساتھ ساتھ کلموں سورتوں اور دعاؤں کو سیکھنا اور ان پر انگریزی یا کورین زبان میں یادداشتیں مرتب کرنا۔ یہ ایسے مشاغل ہیں کہ ان کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میں نے اپنی طرف سے مہمانوں کے آرام کی خاطر مسجد اور اس کے ملحقہ دو کمروں کو گرم رکھنے کے لئے چند آتش دانوں کا انتظام کر دیا تھا، اور کافی اور بسکٹ وغیرہ وغیرہ بھی مہیا تھے تاکہ ان کا دور جاری رہے اور صحبت گرم رہے

طالب علموں اور ملاقاتیوں کا یہ جمگھٹا دن کے دس بجے کے بعد سے تمام دن لگا رہتا جو طالب علم رات کو میرے ساتھ رہتے وہ صبح نو بجے اپنے اپنے کالجوں کو روانہ ہو جاتے، وہ رات ساڑھے گیارہ یا بارہ بجے تک مشغول رہتے اور علی الصبح ۵، ۶ بجے بستروں سے اٹھ کھڑے ہوتے مجھے ایسے شوق و انہماک کی

مطلقاً توقع نہ تھی، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی تھی اور حق یہ ہے کہ اس کے فضل و کرم ہی کی بدولت ہمیں یہ کامیابی نصیب ہوئی۔

مجھے مشکلات کا سامنا صرف اس وجہ سے ہوا کہ میرے ساتھ کام میں مدد دینے والے ایسے کارکن نہ تھے جو عربی اور کورین زبانوں میں دست رس رکھتے ہوں۔ جن کو نماز کا طریقہ معلوم ہو میرے آنے کے پہلے جو لوگ مسلمان ہوئے تھے افسوس ہے کہ وہ بھی ان سے نابلد تھے۔ چند طالب علموں نے کالج میں عربی لے رکھی تھی۔ میں نے ان کے پروفیسر سے ملاقات کی۔ موصوف نے مجھ سے وعدہ کیا کہ یونیورسٹی کی دوسری میقات میں غیر زبانوں کی تعلیم کے شعبہ میں کورین زبان کی تعلیم شروع کی جائے گی۔ یقیناً اس پر عمل آوری کے لئے کچھ عرصہ لگے گا۔ ان حالات میں نومسلموں کو جنھوں نے حال میں نیا مذہب بڑے جوش و خروش سے اختیار کیا تھا، یونہی چھوڑا نہ جا سکتا تھا۔ موجودہ حالت میں بڑا اہم مسئلہ نومسلموں کو بنیادی چیزیں مثلاً نماز اور کلموں کو سکھانا ہے۔ اور ان کے الفاظ اور جملوں سے ان کو مانوس کر کے شوق کو اجاگر کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک ایسا نہ کیا جائیگا اس نئے مذہب سے جس کو انھوں نے شوق و ذوق سے اپنایا ہے ان کی دلچسپی اور وابستگی گہری اور قوی نہیں ہو سکتی۔

اس مقصد کے اتمام کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اسلام، نماز اور قرآن پر سہ لسانی کتابیں تیار کی جائیں۔ اسکی ترکیب یہ ہوگی کہ عربی زبان کے الفاظ کی صحت کے ساتھ انگریزی میں اور انگریزی ہی میں ان کا ترجمہ ہو۔ پھر ان کی کورین زبان میں صحت کے ساتھ نقل اور کورین زبان میں ترجمہ ہو۔ کام اجرائی کے لئے میں نے جس حد تک مجھ سے ممکن ہو سکا عربی عبارتوں کی نقل رومن زبان میں اپنے قلم سے لکھ دی اور انگریزی میں انکا ترجمہ کر دیا۔ اس کام میں ایک کوریائی دوست نے میری مدد کی۔ انھوں نے کچھ حصہ کو ٹائپ کر دیا اور باقی کی اسٹنسل کے ذریعہ کاپیاں نکال دیں۔ یہ ضروری مواد مناسب وقت پر دو یا تین زبانوں میں اچھے کاغذ پر طبع کیا جائے گا تاکہ نومسلموں میں تقسیم کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ ایک مختصر سا مقدمہ اسلام پر لکھا جانا چاہئے جس سے یکساں طور پر (۱) منکرین اسلام (۲) نصاریٰ (کرسچین) (۳) راہ گم گشتہ بدھ لوگ استفادہ کر سکیں۔

میں نے ایک ایسا مقدمہ انگریزی میں تحریر کیا اور کورین زبان میں اس کا ترجمہ کروایا، اور اس کی محدود کاپیاں خاص خاص لوگوں میں تقسیم کی گئیں۔ اس طرح تقسیم سے میں نے محسوس کیا کہ لوگوں پر اچھا اثر پڑا۔ لہٰذا شدید ضرورت اس کی ہے کہ ایسے مقدمہ کی ہزار بلکہ دس ہزار کاپیاں چھپوا کر عوام میں تقسیم کی جائیں۔

میرے سامنے اکثر تعدد ازدواج کا مسئلہ اٹھا گیا اس کے حل ہونے میں دشواریاں پیش آئیں لیکن مختلف اوقات میں اس گتھی کو سلجھانے کے لئے توجہ و انہماک سے کام لیا گیا۔ مغربی ممالک میں جہاں تعدد ازدواج اور آزاد جنسی اختلاط کو کھلی چھٹی دی گئی ہے۔ اور اس پر یک زوجگی اور کنوارپن کا لیبل لگا کر آنکھوں میں دھول جھونکی جاتی ہے۔ اگر ہم اس لعنت اندرون خانہ کو غائر نظر سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بے راہ روی ایک طرف دماغی امراض کے بھیانک روپ میں اور دوسری جانب مردوں اور عورتوں میں مجرمانہ کردار کے بیکیوں میں پوری قوم کا گلا گھونٹ رہی ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مرفہ الحال والدین کے کمسن لڑکے اور لڑکیاں بھی اس کی لپیٹ میں آ رہی ہیں۔ اس صورتحال کے اعداد و شمار کا ایک معلوماتی تختہ امریکی مستند تصانیف اور حوالہ جاتی کتب کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ جس کی اسٹنسل سے نکالی ہوئی کاپی بغرض انکشاف حقیقت منسلک ہذا ہے۔ طلاق اور ہر قسم کے دیگر جرائم کی ان ملکوں میں وہ کثرت ہے کہ الامان والحفیظ! میں نے ان کے بارہ میں مستند حوالہ جاتی کتابوں سے جو امریکہ یا دیگر مقامات سے شائع ہوئی ہیں،

اعداد و شمار اسٹنسل سے لی ہوئی کاپیوں میں جمع کی ہیں۔

سفر کی آخری منزل پر میں نے جملہ نئے داخل شدہ نومسلموں کو جن کا تعلق تعلیم یافتہ جماعت سے ہے مدعو کیا ان کے علاوہ وہ لوگ بھی جو قبل ازیں اسلام قبول کر چکے تھے اور جن سے ۱۱ر دسمبر ۶۶ء روز یکشنبہ کو مجھے ملنے کا اتفاق ہوا تھا بلائے گئے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ آج سے دو ہفتہ قبل ایک مقامی رستوران کے مالک اور ان کے مینیجر نے اسلام قبول کیا ان کا یہ رستوران "سیول" اور کوریا میں پہلا مسلم ہوٹل ہے۔ اس رستوران کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ شہر کے ایک مرکزی مقام پر واقع ہے۔ اور اس کی گنجائش بھی زیادہ وسیع ہے۔ میں نے ملاقات کی یہ تقریب اسی رستوران میں بوقت دوپہر منعقد کی مجھے مسرت ہے کہ یہ تقریب بہت کامیاب رہی، ملایا کے سفیر اور ترکی کے پریس اتاشی نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔ اس سلسلہ میں ایک خوش آئند خبر کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہاں حلال شدہ گوشت کی فراہمی ایک مشکل سوال بنا ہوا تھا۔ جس کے دستیاب ہونیکا انتظام ہوگیا۔ انشاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد حلال شدہ گوشت بہ آسانی میسر آسکے گا۔

اس تقریب میں تقریباً (۱۳۰) حضرات شریک تھے۔ اور ہم سب نے مل کر تقریب کے دوران میں عصر کی نماز ادا کی۔

میں نے چھ طلبا کا انتخاب اس غرض کی پیشرفت میں کیا کہ وہ سہ سالہ مدت کے لئے پاکستان میں قیام پذیر رہیں اور جب وہ اپنے وطن واپس ہوں تو اس مبارک کام کو جس کی داغ بیل حال میں ڈالی گئی ہے پروان چڑھائیں۔ ان طلبار کے قیام کے باعث جو اخراجات لاحق ہوں گے ان کی کفیل "ہولی قران سوسائٹی" ہوگی۔ میری یہ کوشش رہے گی کہ کم از کم بار کورین دوسرے اسلامی ملکوں میں تعلیم کے لئے بھیجے جائیں میں یہ بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ علوم اسلامی کے چند فارغ التحصیل حضرات کو بغیر کسی تاخیر کے اس مقصد سے "سیول" روانہ کیا جائے کہ جو لوگ اب تک مسلمان ہو چکے ہیں اور جو ایسے ہیں کہ ابھی تک داخل اسلام نہیں ہوئے ہیں مگر اس سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے درمیان رہ کر اشاعت و تبلیغ کے کام کو جاری رکھیں۔ اس اہم فرض کی ادائیگی میں مسلم ممالک کی امداد ضروری ہے۔ میں خاص طور سے ان مسلم ممالک کے سربراہوں کی توجہات کو اس جانب مبذول کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ہن کاک (HAN KOK) یونیورسٹی کے غیر زبانوں کی تعلیم کے شعبہ میں جدید عربی زبان کی تعلیم دینے والوں میں تین اشخاص موجود ہیں۔ جن میں سے صرف دو لکچرار کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ان دو میں سے ایک مسیحی خاتون ہے۔

یہاں جو نصابی کتب پڑھائی جاتی ہیں وہ امریکہ کی شائع کردہ ہیں۔ میں نے صدر شعبہ ڈاکٹر ریو سے ملاقات کی یہ صاحب کوریا میں اردن کے مقرر کردہ اعزازی کونسل ہیں۔ موصوف قرآنی عربی کی تعلیم کو شروع کرنے کے لئے تیار ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تحریرات میں جو زبان مروج ہے وہ تمام تر قرآنی عربی کے معیار کی خوشہ چیں ہے۔ دراصل قرآنی عربی ہی صحیح اور معیاری عربی ہے۔ میری دانست میں بہتر یہ ہے کہ مسلم ممالک سے دو یا تین اساتذہ یونیورسٹی کے اس شعبہ میں مامور کئے جائیں تاکہ عربی زبان کی تعلیم اسلامی شعائر کے مطابق جاری رہے۔ میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کورین طالب علموں کو تعلیم کے دوران میں "ٹیوشن فیس" سے مستثنیٰ قرار دیا جائے یا انہیں جملہ مراحل تعلیم کے اختتام تک وظائف عطا کئے جائیں۔

میرے کوریا کے قیام کے دوران میں مجھے مضافات میں رہنے والوں کی جانب سے تحریرات وصول ہوئیں۔ یہ لوگ اسلام لانے کے لئے آمادہ پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے مطالعہ کے لئے اسلامی لٹریچر طلب کیا۔

میرا اندازہ ہے کہ "سیول" اور مضافات میں اشاعت اسلام کے امکانات قوی پائے جاتے ہیں۔ جہاں تلاش حق کی

گن دلوں میں جاگزیں ہو، وہاں اس پیاس کو بدل و جان بجھانے کی سعی کرنا ازبس ضروری ہے۔

میرا خیال ہے کہ کوریا کے اندر "سیول" میں "ہولی قرآن سوسائٹی آف پاکستان" کی ایک شاخ کا افتتاح کیا جائے۔ مجھے توقع ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میری کوریا کو واپسی مارچ ۱۹۶۷ء کو ہوگی۔ میں شدت کے ساتھ اس ضرورت کو محسوس کرتا ہوں کہ مسلم ممالک اپنے سفارت خانے "سیول" میں کھولیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ اس ملک کے مسلمانوں کی تعلیمی امور میں اعانت فرمائیں۔ جہاں ابھی حال ہی میں اسلام کے ایک باغیچہ کی بنا ڈالی گئی ہے۔ جو نشوونما کے مراحل طے کر رہا ہے۔ اگر اس وقت اس کی دیکھ بھال اور آبیاری سے غفلت برتی گئی تو عجب نہیں کہ وہ بارآور ہونے سے پہلے مرجھا جائے۔ میرے مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ امریکی، برٹش اور دیگر یورپی سفارت خانے مسیحی مشنوں کی سرپرستی کرتے ہیں اور ان کو معتدبہ اخلاقی، تعلیمی اور نیز مالی امداد دے رہے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایران نے پہل کی ہے، اور طے کیا ہے کہ "سیول" میں سفارت خانہ کھولا جائے۔ سعودی عرب کی حکومت بھی میں سُن رہا ہوں کہ سفارت خانے کے قیام کیلئے آمادہ ہے۔ اگر مسلم ممالک جلد سے جلد "سیول" میں اپنے سفارت خانے قائم کر دیں تو ان کے قیام سے قابل قدر نتائج رونما ہوں گے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اس مقام کے نومسلم باشندوں کی نظریں اسلامی ممالک کی جانب لگی ہوئی ہیں اور انھیں توقعات وابستہ ہیں کہ ایسے اداروں کی موجودگی میں ان کے تعلیمی، اخلاقی اور مادی احتیاجات کے جملہ مسائل یکے بعد دیگرے بسہولت حل ہو جائیں گے۔

"سیول" کے نومسلم باشندوں نے جب یہ سنا کہ مکہ معظمہ کی "ورلڈ مسلم کانگریس" نے یہ طے کیا ہے کہ ایک لاکھ کی رقم "سیول" میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کے لئے منظور کی ہے تو اشتیاق و مسرت کی فراوانی سے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میری رائے ہے کہ یہاں کے مسلم طلبا کی سہولت کے لئے ایک دارالاقامہ، سکول اور اس کے ساتھ ایک مسجد کی تعمیر نہایت ضروری ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اس قسم کے درجنوں مدارس مختلف ممالک کے کرسچین مشنریوں کی زیر نگرانی یہاں قائم اور جاری ہیں۔

میں آخر میں مکرر اس کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر "سیول" میں اسلامی مملکتوں کی جانب سے سفارت خانے کھولے جائیں تو ان کے قیام کے باعث یہاں کی نومسلم آبادی کو اخلاقی طمانیت کا ایک عظیم سہارا میسر آئے گا۔ ان کی آبادی تعداد کے لحاظ سے جاپانی مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے۔

اس وقت کوریا کا حال یہ ہے کہ وہ تجارت اور صنعت و حرفت میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ کوریا کی تاریخ جو حال ہی میں "سیول" سے شائع ہوئی ہے یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ ملک عرب اور منگول تاجروں کی چھ سو سال پہلے آماجگاہ رہا ہے، اور ان کی قومی ثقافت کئی وجوہ سے اسلامی تہذیب سے کیا بلحاظ لباس کے اور کیا بلحاظ رسومات کے مماثل ہے۔ سب سے بڑھ کر ان کی رواداری اور ہمدردی ہے جو اسلام کے بارے میں اُن کے قلوب میں رچی ہوئی پائی جاتی ہے۔

بقیہ معارف القرآن

ذریعہ قائم کر دی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر زمین ایک سپاٹ کرہ ہوتا تو ان کی کسی منزل تک پہنچنے کے لئے کس طرح راستہ میں بھٹکتا۔ اس کے بعد فرمایا۔

وبالنجم ھم یھتدون۔ یعنی سفر کرنے والے جیسے زمینی علامات سے راستہ پہچانتے ہیں اسی طرح ستاروں کے ذریعے بھی سمت معلوم کر کے راستے پہچان لیتے ہیں۔ اس عنوان میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کی تخلیق کا اصل مقصد تو کچھ اور ہے اس کی ساتھ ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کے راستے بھی پہچانے جاتے ہیں ٭

دل کی دنیا

مقامِ شکر

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

> شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

"صبر" کے بعد دوسرا مقام جس کی تحصیل فرض ہے "مقام شکر" کہلاتا ہے، اگر آپ نے قرآن کریم پڑھا ہے تو اس میں بے شمار آیات دیکھی ہوں گی جن میں انسان کے ذمہ "شکر" کو واجب قرار دیا گیا ہے، آج کی مجلس میں مختصراً یہی بتلانا ہے کہ اس "شکر" سے کیا مراد ہے! اور اس مقام کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے،

"شکر" کی حقیقت یہ ہے کہ محسن حقیقی کی نعمتوں کا اس طرح اقرار کرنا کہ اس سے دل میں محسن کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ گویا "شکر" کے تین لازمی عناصر ہیں۔

(۱) اس بات کا اقرار و اعتراف کہ جتنی نعمتیں مجھے حاصل ہیں وہ سب کی سب اللہ کی طرف سے ہیں اور اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمائی ہیں۔

(۲) چونکہ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر اپنے فضل و کرم کی بارشیں برسا رکھی ہیں۔ اس لئے کائنات میں میرے لئے اس سے بڑا محبوب کوئی نہیں ہونا چاہیے۔

(۳) اللہ کے بے پایاں انعامات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اسی کی اطاعت کروں اور اس کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کروں، بہ الفاظ دیگر جو نعمتیں اس نے مجھکو عطا فرمائی ہیں، ان کو انہی کاموں میں خرچ کروں جو اس کی مرضی کے مطابق ہیں، اور ان کاموں میں خرچ کرنے سے بچوں جو اس کی مرضی کے خلاف ہیں۔

جب یہ تین جذبات کسی انسان کے دل میں پختہ ہو جاتے ہیں تو "تصوف" کی اصطلاح میں اسے کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے "مقامِ شکر" کو حاصل کر لیا ہے۔

پھر "مقامِ شکر" کو حاصل کرنے کے لئے ان تین جذبات میں سے بھی اصل الاصول پہلا ہی جذبہ ہے، کیونکہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال کما حقہٗ راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر کتنی نعمتیں ہر آن مبذول رہتی ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ سے محبت اور اطاعت کا جذبہ خود بخود بیدار ہوگا، لہٰذا اگر کسی وقت "محبت" اور "اطاعت" میں کوتاہی محسوس ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا صحیح اقرار و اعتراف دل میں پیدا نہیں ہوا۔

فرض کیجیے کہ ایک نامعلوم شخص ہے جو ہر مشکل کے وقت آپ کی مدد کرتا ہے، جب کبھی آپ کو روپیہ پیسہ کی شدید ضرورت ہوتی ہے تو خود بخود کسی ذریعہ سے روپیہ پیسہ آپ کے پاس بھجوا دیتا ہے، جب کبھی آپ بیمار پڑتے ہیں تو

نہایت موثر دوائیں آپ کے لئے مہیا کرتا ہے جب کبھی آپ
بے روزگار ہوتے ہیں تو بہترین روزگار آپ کو دلوا دیتا ہے
غرض ہر اس موقعہ پر نامعلوم طریقے سے آپ کی مدد کرتا ہے
جب آپ پریشان یا خستہ حال ہوں۔ فطری بات ہے کہ
آپ خواہ کتنے ہی سنگدل کیوں نہ ہوں اس شخص کی محبت
آپ کے دل میں جاگزیں ہو جائے گی۔ اور اگر کسی موقعہ پر یہ
شخص آپ سے کوئی کام کرنے کو کہے گا تو اس کی تعمیل میں آپ
فخر اور مسرت محسوس کریں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر "محسن" کے احسانات کا علم
اور اعتراف صحیح طریقے سے ہو تو اس کی محبت اور اطاعت
خود بخود دل میں پیدا ہوتی ہے، لہذا "مقام شکر" کو حاصل
کرنے کے لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے
انعامات کا صحیح اقرار اور استحضار پیدا کیا جائے۔

عقیدۃً تو ہر صاحب مذہب اس بات کو مانتا
ہے کہ تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے آتی ہیں، لیکن "مقام شکر"
تک پہنچنے کے لئے ضروری یہ ہے کہ یہ حقیقت خیالات میں
اتنی پیوست ہو جائے کہ آدمی کو ہر وقت یہ حقیقت
سامنے کھڑی نظر آئے، مختصر لفظوں میں یوں کہہ لیجیے
کہ اس حقیقت کا استحضار اتنا قوی ہو کہ اسے اس کے
ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہ رہے بلکہ وہ
اس کا مشاہدہ کرے یہاں تک کہ تکلیفوں اور پریشانیوں
کے وقت بھی وہ ان سیکڑوں نعمتوں کو فراموش نہ کرے
جو عین اس وقت بھی اس پر مبذول ہیں۔

جب انسان کو "مقام شکر" حاصل نہیں ہوتا تو
تکلیفوں اور پریشانیوں کے لئے اس کا احساس تیز اور
نعمتوں اور راحتوں کے لئے نہایت سست ہو جاتا ہے
اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیکڑوں نعمتوں اور راحتوں کے
درمیان اگر اسے ذرا سی تکلیف پہنچ جائے تو وہ نعمتوں کو
بھول کر اپنی ساری توجہات کا مرکز اس تکلیف کو بنا لیتا
ہے، اور اسی کا غم لئے بیٹھا رہتا ہے، اس کے برعکس
شخص کو "مقام شکر" حاصل ہو وہ چند در چند پریشانیو
میں بھی نعمتوں کا پلہ بھاری دیکھتا ہے اور اسی وجہ سے
حالت میں بھی اس کی زبان پر شکووں اور آہوں کے بجا
شکر ہی کے کلمات جاری رہتے ہیں۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علی
جو اکابر دیوبند میں حضرت میاں صاحبؒ کے نام سے مشہو
ہیں میرے نہایت شفیق استاذ اور مربی تھے، ایک مر
انھیں شدید بخار آیا، میں مزاج پرسی کے لئے حاضر ہو
وہ چارپائی پر تقریباً مدہوش لیٹے ہوئے تھے، بخار اپ
شباب پر تھا اور اس کی شدت کی وجہ سے غشی سی طا
طاری تھی، وہ ذرا ہوش میں آئے تو میں نے سلام کر کے
مزاج پوچھا انھوں نے بے ساختہ کہا:

الحمدللہ! الحمدللہ! بہت اچھا ہوں،
خدا کا شکر ہے کہ دل صحت مند ہے، گردے
میں درد نہیں، سینے میں کوئی تکلیف نہیں
سب اعضاء ٹھیک کام کر رہے ہیں، بس
بخار ہے!"

یہ ہے "مقام شکر" کا نتیجہ کہ انسان شدید بخار میں مدہوش
ہونے کی حالت میں بھی اس حقیقت کا استحضار رکھتا
کہ "تکلیف ایک ہے اور نعمتیں بے شمار" حقیقت بلاشبہ
وہی ہے جو حضرت میاں صاحبؒ نے بیان فرمائی کہ بخا
بیشک ایک تکلیف ہے لیکن اس کی ساتھ نعمتیں کتنی
ہیں! دیکھنے کے لئے آنکھ، بولنے کے لئے زبان، سننے
کے لئے کان، پکڑنے کے لئے ہاتھ، علاج کے لئے حکیم ڈاک
تیمارداری کے لئے عزیز و قریب اور رشتہ دار، پھر تکلیف
بھی صرف بخار ہے، دل، دماغ، معدہ، گردہ ہر چیز اپنی
مخصوص بیماری سے محفوظ ہے ـــــ یہ حقیقت تو بیشک
ہے، لیکن عام حالات میں انسان ایسے موقعہ پر ان تمام

نعمتوں سے یکسر غافل ہو جاتا ہے اور اسے بخار کی تکلیف کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اس حقیقت کا ادراک اور استحضار انہی لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں اللہ نے "مقامِ شکر" کی دولت نصیب فرمائی ہو۔

یہ دولت حاصل کس طرح ہوتی ہے؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کثرت کے ساتھ اللہ کی نعمتوں پر غور کیا کرے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں تفصیل کے ساتھ ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جن پر غور کرنے سے انسان "مقامِ شکر" حاصل کر سکتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نعمتیں دو قسم کی ہیں، ایک مخصوص نعمتیں جو کسی شخص کو انفرادی طور سے ملتی ہیں، فلاں شخص بہت بڑا عالم ہے، فلاں کے پاس اچھا مکان ہے فلاں کو بڑی سعادت مند اولاد ملی ہوئی ہے، فلاں شخص بڑا ہر دلعزیز ہے۔ یہ ساری نعمتیں مخصوص نعمتیں ہیں، اس کے علاوہ کچھ نعمتیں عام قسم کی ہیں جو ہر انسان کو ہر وقت میسّر ہیں، چاند، سورج، ستارے، ہوا، آگ، پانی، مٹی، جنگل، پہاڑ، پھر جسم کے اعضاء آنکھ، کان، ناک، ہاتھ پاؤں وغیرہ اگر انسان ان تمام نعمتوں اور ان کی حکمتوں پر سنجیدگی سے غور کرے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ انسان کو "مقامِ شکر" حاصل نہ ہو، لیکن چونکہ یہ ساری نعمتیں بے مانگے اللہ نے دیدی ہیں، انہیں حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت اٹھانی نہیں پڑی، کوئی پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑا، اس لئے انسان انہیں نعمت یا تو سمجھتا ہی نہیں ہے، یا سمجھتا ہے تو سرسری طور پر دیکھ کر گذر جاتا ہے حالانکہ انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر کسی وقت ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو کروڑ دو کروڑ روپیہ نہیں، ساری دنیا کے تمام خزانے لٹا کر بھی کیا وہ اس نعمت کو واپس لا سکتا ہے؟ قرآنِ کریم اسی طرف اشارہ فرماتا ہے:

ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمداً الی یوم القیامۃ من الٰہٌ غیر اللہ یاتیکم بضیاء

"اگر اللہ تم پر قیامت کے دن تک دائمی رات مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا کر دے سکے؟"

اسی طرح:

ان جعل اللہ علیکم النہار سرمداً الی یوم القیامۃ من الٰہٌ غیر اللہ یاتیکم بلیل تسکنون فیہ۔

اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی مسلط کر دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں ایسی رات لا کر دے سکے جس میں تمہیں سکون حاصل ہو،

غرض انسان کو چاہئے کہ اولاً وہ ان مخصوص نعمتوں پر غور کرے جن سے بہت سے افراد محروم ہیں، پھر عام نعمتوں پر غور کرے جو ہر انسان کو میسّر ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ دنیا بھر کے عقلاء، حکماء اور سائنسداں مل کر بھی چاہیں تو اس کو پیدا نہ کر سکیں، اگر وہ چھن جائے تو واپس نہ لا سکیں۔

اس معاملہ میں امام غزالیؒ کی ایک مختصر کتاب "الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" بہت مفید ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی اسی نام سے شائع ہو چکا ہے، "مقامِ شکر" کو حاصل کرنے اور اللہ کی نعمتوں کا استحضار پیدا کرنے کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

اہلِ علم سے

دار العلوم کے ایک استاد طحاوی شریف پر کام کر رہے ہیں اس سلسلہ میں مولانا وصی احمد صاحب سورتی محشی طحاوی اور مولانا محمد مسلم صاحب نقشبندی ملخص الطحاوی اور مولانا عبدالستار صاحب مترجم طحاوی کے سوانح کی ضرورت ہے۔ جن حضرات کو ان کے بارے میں کچھ بھی علم ہو وہ اپنی معلومات ادارہ البلاغ کو ارسال فرما دیں۔ (مدیر)

مولانا محمد رفیع عثمانی

آپ کے سوال

---

(۱) شریعت میں حق مہر کم سے کم
کتنا ہونا چاہئے۔؟
(۲) عورتوں کو قبرستان میں باپردہ
جانا جائز ہے یا نہیں۔
(آفتاب مہدی نظامی ڈیری)

(۱) مہر نکاح کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی ہے جو ہمارے وزن کے اعتبار سے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقدار سے کم مہر مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ مہر چاندی کے علاوہ نقدی، سونے یا سامان کی صورت میں ہو تو وہ بھی چاندی کی مذکورہ مقدار کی قیمت سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا مھر دون عشرۃ دراھم

(بذل المجہود ص ۳۲ ج عن البیہقی)

کوئی مہر دس درہم سے کم (معتبر) نہیں۔

امام ابو حنیفہ رہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ہدایہ)

(۲) عورتوں کے قبرستان جانے کے بارے میں فقہاء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ مطلقاً جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا

میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا۔
پس اب تم ان کی زیارت کے لئے جایا کرو۔

فقہاء کی ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ عورتوں کا قبروں پر جانا مطلقاً ناجائز ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
لعن زوارات القبور۔

(مشکوٰۃ ص ۱۵۴ ج ا بحوالہ ترمذی ابن ماجہ مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

یہ حضرات پہلی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں چونکہ خطاب مردوں سے ہے اس لئے اس حدیث سے قبروں پر جانے کی اجازت مردوں کے لئے تو ثابت ہو گئی اور چونکہ اس میں عورتوں کا ذکر نہیں اس لئے ان کے لئے قبروں پر جانے کی اجازت ثابت نہیں ہوتی۔

فقہاء کا تیسرا قول جسے عام طور سے اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر زیارت قبور سے مقصود رونا پیٹنا وغیرہ ہو تو

حرام ہے۔ اور حدیث میں جو لعنت کی گئی ہے وہ اسی صورت کے بارے میں ہے۔ اور اگر یہ جانا عبرت یا برکت کے لئے ہو یا جزع وفزع کے بغیر محض میت کی محبت کی وجہ سے ہو تو بوڑھی عورتوں کے لئے باپردہ جانا جائز ہے، اور جوان خواتین کے لئے ممنوع ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

لو ان رسول اللہ صلے رای ما احدث النساء بعدہٗ لمنعھن کما منعت نساءُ بنی اسرائیل۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے یہ حالات دیکھتے جو عورتوں نے آپ کے بعد پیدا کر دیئے ہیں تو عورتوں کو روک دیا جاتا جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

تاخیر واجب کی مقدار

کا ماہنامہ البلاغ شمارہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ایک دوست سے موصول ہوا پڑھنے سے بہت پسند آیا اس میں زیر عنوان! اپنی نماز درست کیجئے مسئلہ ۳ یہ لکھا ہے کہ اگر آپ غلطی سے پہلی یا تیسری رکعت میں بیٹھ گئے تو فوراً کھڑے ہو جایئے، اگر بیٹھ کر اتنی دیر گذر گئی کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جا سکے تو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے ورنہ نہیں! بحوالہ کتب محقق فرما دیں تاکہ تسلی ہو، کیونکہ کبیری میں اس کے خلاف کی تصریح ہے، یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کی مقدار کی تاخیر کی قید نہیں ہے عبارت یہ ہے۔

ولو قام فی الصلوٰۃ الرباعیۃ الی الرکعۃ الخامسۃ او قعد بعد رفع راسہ من السجود فی الرکعۃ الثالثۃ، او قام الی الرابعۃ فی المغرب او الثالثۃ فیہ او فی الفجر او قعد بعد رفعہ من الرکعۃ الاولیٰ فی جمیع الصلوٰۃ یجب علیہ سجود السھو لتاخیر القیام فی صورۃ ولتاخیر القعود فی صورۃ التاخیر الواجب و ھو التشھد او السلام فی صورۃ القیام وتاخیر الرکن وھو القیام فی صورۃ القعود، فقط،

اقبال محمد حسین تھانوالی موضع بلوچیں پرانا ڈاکخانہ وضلع میانوالی۔

اس مسئلے میں احقر کو بھی شک تھا، اس لئے ایک مرتبہ اس کی تحقیق لکھ کر والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی کو دکھائی تھی، موصوف نے اس کی تصدیق فرما کر اسے امداد الفتاوےٰ جلد اول (صفحہ ۳۵۲ طبع جدید کراچی) کا جزو بنا دیا تھا، اس تحقیق کا حاصل یہی ہے کہ مجرد قعود سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا بلکہ مقدار تاخیر سے واجب ہوتا ہے، جس کی تعیین تین تسبیحات سے کی گئی ہے۔

علامہ طحطاوی "مراقی الفلاح" کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں، وھو مقدر بثلاث تسبیحات (ص ۲۵۸ ج ۱) اس کی مقدار تین بار سبحان اللہ کہنا کو مقرر کیا گیا ہے، تفصیل کے لئے تو امداد الفتاوےٰ کے مذکورہ حاشیہ کی طرف رجوع فرما دیں۔ یہاں علامہ شامی رح کی ایک تصریح ذکر کر دیتا ہوں، درمختار میں ہے کہ۔

ویکبر للنھوض علی صدور قدمیہ بلا اعتماد وقعود استراحۃ ولو فعل لاباس؛

خواتین اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

بائیسویں حدیث

وعن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اللّٰھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین فقالت عائشۃ لم یا رسول اللّٰہ قال انھم یدخلون الجنۃ قبل اغنیائھم باربعین خریفا یا عائشۃ لا تردی المسکین ولو بشق تمرۃ یا عائشۃ احبی المساکین وقربیھم فان اللّٰہ یقربک یوم القیمۃ

(رواہ الترمذی) مشکوٰۃ شریف ص ۴۴۷

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے پاک سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے مسکینی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی حالت میں موت دینا اور مسکینوں میں میرا حشر فرمانا یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ مسکین لوگ مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے (پھر فرمایا کہ) اے عائشہ مسکین کو (بغیر کچھ دیئے) واپس نہ کرنا (جو کچھ ہو سکے دیدینا) اگرچہ آدھی کھجور ہی ہو (مزید فرمایا کہ) اے عائشہ مسکینوں سے محبت کر، اور ان کو قریب کر کیونکہ (اس کی وجہ سے) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اپنی نزدیکی کا (بلند) رتبہ عطا فرمائے گا (مشکوٰۃ شریف)

تشریح اس سے پہلی حدیث میں مالداروں کے پاس بیٹھنے کی ممانعت کا ذکر تھا اس حدیث میں مسکینوں کو نزدیک کرنے اور ان کی امداد کرنے کا ذکر ہے غریبوں کا دل تھوڑا ہوتا ہے اگر ان کو پاس بٹھایا جائے اور ان کی ہمدردی کی جائے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں اس کا پھل دنیا میں بھی اچھا ملتا ہے اور آخرت میں بھی اللہ کی نزدیکی حاصل ہونے کا سبب ہے۔ مسکینوں میں غرور تکبر شیخی بگھارنا اکڑنا، اترانا نہیں ہوتا ان کے ساتھ بیٹھنے سے تواضع اور انکساری کی صفت پیدا ہوتی ہے، دنیا میں گو ان کو لوگ حقیر جانیں مگر آخرت میں اچھے رہیں گے، مالداروں سے برسہا برس پہلے جنت میں پہنچ جائیں گے دبشرطیکہ شریعت

محمد علی
سال ششم دار العلوم کراچی

امام زفر بن ہذیلؒ

عبداللہ ابن داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام زفر سے وٹی کے قرض دینے کا مسئلہ پوچھا، آپ نے فرمایا۔ وزن کر کے یا جائے۔ عبدالواحد ابن صبرہ فرماتے ہیں کہ میں قاسم ابن محمد ورسالم ابن عبداللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کے پاس یاس ابن معاویہ بھی تشریف رکھتے تھے اسی اثنا میں قاسم وسالم سے ایک آدمی نے مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو "اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ" کہے تو اس کا کیا حکم ہوگا، یہ دونوں حضرات خاموش رہے۔ اور ایاس ابن معاویہ سے لہا، کہ آپ اس میں فتویٰ دیجئے۔ ایاس نے فرمایا اس آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا، لیکن طلاق نہیں دی، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ اس نے شرط کو ذکر نہیں کیا ہے۔ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ کو امام زفرؒ کے سامنے ذکر کیا۔ تو امام زفر نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں ایاس بن معاویہ سے خطا ہوگئی ہے۔ کیونکہ اس آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق تو دیدی اور پھر وہ اس طلاق کو معلق کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کیا نہیں۔ تو اب اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی۔

ہلال ابن یحییٰ فرماتے تھے کہ میں نے امام ابو یوسف سے پوچھا کہ ایک آدمی کے پاس ۲۰۰ درہم ہیں اور ان پر دو سال گذر گئے ہیں، وہ اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کریگا۔

امام ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ پہلے سال کے ۵ درہم دے گا اور دوسرے سال کی کچھ زکوٰۃ ادا نہ کرے گا پھر ہلال ابن یحییٰ نے کہا کہ امام زفرؒ تو اس کے اوپر دس درہم واجب کرتے ہیں، تو پھر آپ کی کیا دلیل ہے؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جو ۲۰۰ درہم پر ۱۰ درہم کی زکوٰۃ واجب کرتا ہے اس کے لئے میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے

امام بکار فرماتے ہیں، چونکہ اس آدمی پر سال کا تکرار ہوا ہے۔ اس لئے دو سال کی زکوٰۃ ۱۰ درہم واجب ہوگئی جیسا کہ امام زفرؒ نے فرمایا ہے۔

احمد بن محمد فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابن مالک نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ میں نے گذشتہ رات نبیذ پی تھی، کچھ نشہ ہوا، اس وجہ سے مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی یا نہیں! —— امام صاحب نے فرمایا کہ آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جب تک آپ کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ آپ نے اس کو طلاق دی ہے۔ پھر وہ شخص سفیان ثوریؒ کے پاس آیا پھر ان سے اس مسئلہ کو ذکر کیا، سفیان ثوریؒ نے جواب دیا کہ آپ ابھی جائیں، اور اپنی بیوی سے مراجعت

کریں۔ کیونکہ اگر واقع میں آپ نے طلاق دی ہے تو مراجعت سے کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر آپ نے طلاق نہیں دی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ آپ اس کے شوہر ہیں پھر یہ آدمی شریک ابن عبداللہ کے پاس آیا۔ اور اسی مسئلہ کا اعادہ کیا، تو شریک ابن عبداللہ نے جواب دیا۔ کہ آپ جائیں اور اپنی بیوی کو طلاق دے دیں اور پھر اس سے مراجعت کرلیں

پھر یہی شخص امام زفرؒ کے پاس آیا اور پھر وہی واقعہ بعینہٖ نقل کیا، کہ میں نے رات کو نبیذ پی لی تھی۔ یاد نہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں! امام زفرؒ نے پوچھا کہ آپ نے میرے سوا، اور کسی سے بھی یہ مسئلہ پوچھا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ہاں میں نے امام ابو حنیفہؒ سے یہ مسئلہ پوچھا ہے۔

امام زفرؒ نے فرمایا کہ اچھا، انھوں نے جواب دیا۔ اس آدمی نے امام صاحب کا پورا جواب نقل کر دیا۔ اس جواب پر امام زفرؒ نے فرمایا کہ انھوں نے بالکل درست جواب دیا ہے۔ پھر امام زفرؒ نے اس آدمی سے پوچھا کہ آپ نے ان کے علاوہ کسی اور سے بھی یہ مسئلہ پوچھا ہے، اس آدمی نے کہا کہ ہاں سفیان ثوری سے بھی یہ مسئلہ پوچھا ہے، امام زفرؒ نے کہا، انھوں نے کیا جواب دیا۔ اس آدمی نے سفیان ثوریؒ کا پورا جواب دہرا دیا۔ اس پر امام زفرؒ نے فرمایا۔ کہ کتنا بہتر جواب ہے۔ پھر امام زفرؒ نے پوچھا کہ ان کے علاوہ آپ نے کسی اور سے بھی پوچھا ہے، اس آدمی نے جواب دیا کہ ہاں میں نے شریک ابن عبداللہ سے بھی پوچھا ہے اور ان کا جواب نقل کر دیا۔ امام زفرؒ یہ جواب سن کر مسکرائے اور کہا کہ ان تینوں حضرات کے جوابات کے متعلق ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ کہ ایک آدمی کسی دامن کوہ سے گذر رہا ہے، اور اس میں سیلاب آیا ہوا ہے اور سیلاب کا پانی اس آدمی کے کپڑے کو لگ گیا ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا کپڑا پاک ہے اور نماز پڑھنا درست ہے یہاں تک کہ پانی کی نجاست کے متعلق یقین نہ ہو جائے، اور امام سفیان ثوری کے جواب کی مثال ایسی ہے کہ وہ اپنے کپڑے کو دھوئے اگر وہ ناپاک تھا تو پاک ہو جائے گا اور اگر پہلے سے پاک تھا تو نظافت میں اور زیادتی ہو جائے گی اور شریک ابن عبداللہ کے جواب کی مثال ایسی ہے کہ آپ جائیں اور اس پر پیشاب کریں، اور پھر اس کو دھو ڈالیں، اس کے بعد فرمایا کہ یہ بعینہٖ ان تینوں حضرات کے جوابات اور انکی ادا، کی مثال ہے۔

عوام الناس کو مشکل مسائل میں کھود کرید سے روکنا۔

حسن ابن زیادہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام زفرؒ سے سنا کہ ایک آدمی نے قرآن کے متعلق سوال کیا، امام زفرؒ نے فرمایا کہ قرآن اللہ تعالےٰ کا کلام ہے، اس آدمی نے دوبارہ پوچھا کہ وہ مخلوق ہے یا قدیم؟ اس پر امام زفرؒ نے جواب دیا، کہ جس مسئلہ میں آپ الجھے ہوئے ہیں۔ اس کے علم سے ہم کو تو فائدہ ہوگا مگر آپ کو نقصان پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ایسی چیزوں کا مکلف بنایا ہے، جن کو آپ برداشت کر سکتے ہیں اور جو آپ کی قدرت سے باہر ہے، اس کا آپ کو مکلف نہیں بنایا ہے۔ حسن ابن زیادہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی بغدادی نے پوچھا کیا زفر ابن ھذیل نیاس تھے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ نیاس کیا لفظ ہے؟ یہ تو جاہلوں کا لفظ ہے، بلکہ وہ تو ایک بہت بڑے عالم تھے، دوبارہ اس آدمی نے پوچھا کیا زفر ابن ھذیل علم الکلام کی بھی کچھ معلومات رکھتے تھے، اس پر فرمایا، سبحان اللہ، تم بھی کیا کم عقل آدمی ہو! تمہارا ہمارے اصحاب کے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ علم الکلام کو جانتے بھی ہیں یا نہیں؟ ارے ہمارے یہ حضرات اللہ تعالےٰ کے حدود و احکامات کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اور جس علم الکلام کے متعلق تم پوچھ رہے ہو اس میں ہمارے حضرات بالکل مستغنی تھے، ان کو تفقہ فی الدین اور اپنے اسلاف کی اتباع کے بغیر اور کسی چیز

کی فکر نہ تھی۔

ہمارے حضرات عوام الناس کو علم الکلام سے اس لئے روکتے تھے کہ عوام ... علم الکلام کی باریکیوں پیچیدگیوں اور دقائق میں الجھ کر خطا اور لغزش کے مرتکب نہ ہو جائیں ورنہ ہمارے یہ حضرات تو علم الکلام اور علم المناظرہ کے امام تھے، لوگوں سے بہت مناظرے کئے ہیں، اور غالب آئے ہیں۔ اور اس کی شہادت خالد ابن زید عمری کے کلام سے ملتی ہے، کہ خالد نے فرمایا کہ ابو حنیفہ رح ابو یوسف رح، محمد رح زفر رح اور حماد ابن ابی حنیفہ رح ایسی ہستیاں تھیں کہ لوگوں سے علم الکلام میں بہت مناظرے کئے ہیں، اور شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اور یہ حضرات علم الکلام کے بڑے امام سمجھے جاتے تھے۔

بصرہ میں مذہب حنفیہ کی اشاعت

قاضی ابو حازم کہتے ہیں کہ میں نے احمد ابن عبدہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ یوسف ابن خالد سمتی، امام صاحب رح کے پاس سے بصرہ آئے اور بصرہ کے فقیہ اور رئیس عثمان بتی کے پاس ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، اور پھر رفتہ رفتہ عثمان بتی کے اصحاب کو امام ابو حنیفہ رح کے مسائل سکھلانے کی کوشش کرنے لگے۔ اور بات یہاں تک پہنچی کہ عثمان بتی اور یوسف ابن خالد سمتی کے درمیان کشمکش ہونے لگی۔ اور عثمان بتی امام صاحب کے خلاف اپنے شاگردوں کو ابھارنے اور سب وشتم کرنے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ عثمان بتی اور ان کے تلامذہ یوسف ابن خالد سمتی کو مارنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے،

امام زفر کی ذہانت اور بصرہ میں پہلا قیام

اسی وقت میں امام زفر رح بصرہ تشریف لائے، امام زفر رح سیاست اور تدبیر میں بہت ماہر تھے، چنانچہ امام زفر رح عثمان بتی کے حلقہ درس میں پابندی سے حاضر ہوتے اور عثمان بتی کے مسائل غور سے سنتے تھے، یہاں تک کہ امام زفر رح عثمان بتی کے اصولوں سے واقف ہو گئے۔ جن سے عثمان بتی اپنے مسائل کی تفریعات نکالتے تھے، امام زفر رح نے ان کی فروعات کا تتبع کیا جن فروعات کو بتی نے اپنی اصل پر استخراج کیا تھا، تو معلوم ہوا کہ بتی ان فروعات میں اپنی اس اصل کو چھوڑ بیٹھے ہیں جن اصولوں پر ان کا استنباط کیا تھا، اس کے بعد امام زفر نے بتی سے ان فروعات کو ان اصولوں کے ساتھ تطبیق دینے کا مطالبہ کیا کہ آپ نے ان فروعات کو کیسے استخراج کیا ہے؟ تاکہ ان کی باتوں سے ان ہی پر رد کیا جا سکے۔ اور ان ہی کی زبان سے عدم تطبیق کا اعتراف ہو جائے اور خروج عن الاصل ان پر بالکل ظاہر و نمایاں ہو جائے، یہاں تک کہ بتی کے شاگرد بتی کے خلاف گواہی دینے لگے، جب بتی کے اصحاب پر یہ بات واضح ہو گئی اور امام زفر کی گرفت اور اعتراضات کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگے، تب امام زفر رح نے بتی کے شاگردوں کو کہا کہ اس باب میں اس سے زیادہ اور اچھے اصول ہیں۔ اور ان اصولوں کا بسط و شرح سے تذکرہ کیا۔ اور بتی کے اصولوں کے خلاف دلائل قائم کئے، اور اپنے اصولوں کو دلائل سے مضبوط کیا اور بتی سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی طرف رجوع کرے۔ اور ان کے شاگرد اس پر شہادت دیں جب امام زفر رح کی باتیں اصحاب بتی کے دلوں میں خوب راسخ و پختہ ہو گئیں۔ تو امام زفر نے فرمایا کہ یہ تمام امام اعظم ابو حنیفہ رح کے اصول ہیں۔ چند دن نہ گذرنے پائے تھے کہ بتی کا پورا حلقہ درس امام زفر رح کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور بتی تن تنہا رہ گئے۔ یہ تو اس وقت کی بات ہے جب اہل بصرہ کے امام، عثمان بتی اور امام اعظم ابو حنیفہ رح حیات تھے۔

پھر بصرہ میں

امام اعظم ابو حنیفہ رح اور عثمان بتی کی وفات کے بعد امام زفر رح دوبارہ بصرہ تشریف لے گئے اس کے بعد پھر بصرہ ہی کے ہو رہے۔ ہلال ابن یحییٰ فرماتے ہیں کہ یوسف ابن خالد سمتی رح بصرہ سے کوفہ آئے۔ اور امام صاحب سے علم فقہ حاصل کیا، اور جب واپس جانے کا ارادہ کرنے لگے تو ان کو امام ابو حنیفہ رح نے فرمایا۔ "کہ تم جب بصرہ پہونچو گے، تو

تمہارا ایسی قوم سے واسطہ پڑے گا جن کے دلوں میں اپنی آبائی امامت اور پیشوائی راسخ ہو چکی ہے اور اس حالت میں وہ کسی دوسرے کو اپنا امام تسلیم نہیں کریں گے، تو تم وہاں جا کر مسند تدریس پر بیٹھنے میں اور حلقہ درس بنانے میں جلد بازی سے کام نہ لینا کیونکہ اگر تم نے عجلت سے کام لیا اور ابو حنیفہ کے مسلک کو بیان کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے۔ اور ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے حالانکہ وہ ابو حنیفہ کے پہلے ہی سے مخالف ہیں تو ان حالات میں تم وہاں اپنا کوئی درس و تدریس کا سلسلہ قائم نہ کر سکو گے۔ آخر کار وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

اس نصیحت کو سن کر یوسف ابن خالد سمتی نے بصرہ کے لئے رخت سفر باندھا۔ اور بصرہ پہنچکر اپنی خوش فہمی کی وجہ سے مسند تدریس پر بیٹھے اور درس شروع کر دیا۔ اور فرماتے کہ ابو حنیفہؒ نے اس طرح کہا ہے۔ اور امام اعظم کا یہ مسلک ہے۔ ہلال ابن یحییٰ کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر لوگوں نے یوسف ابن خالد سمتی کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ اور لوگ امام صاحب کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام زفرؒ بصرہ تشریف لے آئے۔ امام زفرؒ بصرہ کے شیوخ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور ان کے اقوال کے ایسے دلائل بیان کرتے تھے جو خود ان کو نہیں آتے تھے، تو وہ لوگ اس بات کو بہت اچھا سمجھتے تھے، اور تعجب کرتے تھے! اس کے بعد امام زفر فرماتے کہ اس قول سے بھی اچھا ایک اور قول ہے لوگ پوچھتے کہ وہ قول کیا ہے؟ تو اس کو بیان کرتے اور خوب دلائل و براہین سے اس کو مضبوط کرتے تھے اور کسی کو ابتدا میں یہ پتہ نہیں چلتا تھا، کہ امام زفر کس کا قول بیان کر رہے ہیں۔ جب لوگوں کے دلوں میں اس قول کی مضبوطی خوب اچھی بیٹھ جاتی تب فرماتے کہ یہ ابو حنیفہ کا قول ہے۔ تو لوگ کہتے کہ یہ قول تو بہت ہی اچھا ہے۔ ہم قائل کی کوئی پروا نہیں کرتے جو بھی کہے یہ قول بہت ہی اچھا ہے۔ اسی حکمت عملی سے امام زفرؒ، امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کو پھیلاتے رہے یہاں تک کہ بصریینؒ کو امام ابو حنیفہؒ کا مقلد بنا دیا۔

سوئے تدبیر اور حکمت عملی سے ناواقفیت، عالم کو علم و مذہب کی نشر و اشاعت سے محروم کر دیتی ہے۔ اگر یوسف سمتی امام صاحب کی نصیحتوں کے مطابق عمل کرتے تو نہ وہ اتنی تکلیفیں جھیلتے اور نہ ان کے اور نہ ان کے استاد کی شان میں طعن زنی کا موقع ملتا۔

سخنہائے گفتنی

جمادی الاخریٰ ۸۸ھ کا پرچہ جہاد نمبر تھا، ہندوستان کے خریداروں کو یہ پرچہ نہیں ملا، کیوں نہیں ملا؟ وجہ ظاہر ہے، ہندوستان کی جمہوری حکومت نے اسے پسند نہیں کیا! جمہوریت کے دعویدار اور سیکولرازم کے داعی ملک کی یہ تنگدلی ہماری سمجھ سے باہر ہے؟ ہم اپنے ہندوستانی کرم فرماؤں کو ایسے حالات میں بجز تلقین صبر کیا مشورہ دیں۔

الحمد للہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں! بائیبل سے قرآن تک (ترجمہ اظہار الحق) جلد اول طبع ہو کر بازار میں آگئی! اب آپ طلب فرما سکتے ہیں،

ہندوستان کے حضرات ۔/۱۷ روپے (مع محصول ڈاک) مولانا ظہور الحسن صاحب خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یو۔پی کو روانہ کر کے ڈاکخانہ کی رسید ہمیں ارسال فرما دیں۔ کتاب ان کو بذریعہ رجسٹری ارسال کر دی جائے گی۔

ہندوستانی حضرات! حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا رسالہ "اسلام کا نظام تقسیم دولت" بھی مولانا ظہور الحسن صاحب سے پتہ بالا پر طلب فرما سکتے ہیں۔ قیمت ۱/۲۵ علاوہ محصول ڈاک

اور اب ماہنامہ دار العلوم دیوبند

ماہنامہ موصوف نے اکتوبر ۶۸ء کی اشاعت میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا مضمون "ایلاف" البلاغ سے نقل فرمایا۔ مگر بلا حوالہ! ہم اپنے معزز و محترم معاصر سے اس فروگذاشت پر مؤدبانہ احتجاج کرتے ہیں (مدیر)

نقد و تبصرہ

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

معارف القرآن

مؤلفہ جناب مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی،

ناشر دار الارشاد کیمبلپور۔ ۲۰×۲۶ کے ۳۱۲ صفحات کتابت وطباعت متوسط۔ قیمت رف کاغذ پانچ روپیہ گلیز: چھ روپے پچیس پیسے۔

آجکل جہاں شب وروز دین بیزاری کا چرچا ہے، وہاں ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ پڑھے لکھے مسلمانوں میں قرآن کریم کو سمجھنے کا شوق بھی بڑھ رہا ہے، لیکن ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ لوگ کسی ماہر استاد کی مدد کے بغیر محض ترجمے کو دیکھ کر یا معمولی عربی سیکھ کر قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ فہم قرآن کے اصول ومبادی سے ناواقفیت کے سبب بہت سے معاملات میں سخت غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں' اور قرآن کریم کی طرف وہ باتیں منسوب کرنے لگتے ہیں جو فی الواقع قرآن کریم نے نہیں فرمائیں، ظاہر ہے کہ قرآن کریم علوم ومعارف کا بے نظیر خزانہ ہے، اور جس طرح محض انگریزی سیکھ کر کوئی شخص قانون کو سمجھنے اور اس پر الٹی سیدھی رائے زنی کرنے کا حق نہیں رکھتا، تاوقتیکہ وہ قانون کے علم کو ماہر اساتذہ سے حاصل نہ کرے، اسی طرح محض عربی جان کر یا ترجمے پڑھ کر قرآنی تعلیمات پر رائے زنی کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ باقاعدہ تفسیر قرآن کے اصول ماہر اساتذہ سے پڑھے۔

مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے اس قابل قدر کتاب میں قرآن کریم کے علوم اور اصول تفسیر کے بارے میں ایسی ضروری معلومات جمع فرما دی ہیں کہ قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرنے والے حضرات اگر ان کے مطابق قرآن کریم کو سمجھنا چاہیں تو انشاء اللہ غلط فہمیوں کا شکار نہ ہوں گے مولانا موصوف نے یہ کتاب جس محنت اور عرق ریزی کے ساتھ لکھی ہے، اس سے قرآن کریم کے ساتھ ان کے شغف کا اندازہ ہوتا ہے، قرآن کریم کی سورتوں، شان نزول، اسلوب بیان ترتیب اور [illegible] پر بیش قیمت معلومات مہیا کرنے کے علاوہ مولانا نے شروع میں تفسیر قرآن کے اصول، تفسیر اور تحریف کے فرق، تفسیر بالرائے کی حرمت، اور طبقات المفسرین کے موضوع پر بھی عمدہ بحثیں کی ہیں۔ اور تفسیر قرآن کے معاملے میں گمراہی کے جو پہلو نکلتے ہیں ان کی عالمانہ نشان دہی فرمائی ہے۔ اس طرح یہ کتاب علوم قرآن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے نہایت مفید ہے۔ اور اس لائق ہے کہ اسے ہماری یونیورسٹیاں، اسلامیات کے نصاب میں داخل کریں ہمارا مشورہ ہے کہ اگر فاضل مؤلف ہماری یونیورسٹیوں کے

ایم۔ اے۔ اسلامیات کے سلیبس کو پیشِ نظر رکھ کر اس میں جمع و تدوین قرآن، اعجازِ قرآن، حقیقتِ وحی اور دوسرے ان موضوعات پر بھی تحقیقی مقالے شامل فرما دیں۔ جو ایم۔ اے اسلامیات کے نصاب میں داخل ہیں تو طلبار کے لئے مزید سہولت کا موجب ہوگا۔ اور ایک طرف ایم۔ اے کے طلبار کو اس کتاب میں اپنے تمام زیرِ درس موضوعات پر سلامتِ فکر کے ساتھ بحث مل جائے گی۔ اور دوسری طرف عام قارئین کے لئے بھی علومِ قرآن پر یہ سب سے زیادہ جامع کتاب ہوگی۔

(م۔ ت۔ ع)

سیرتِ بایزید

مؤلفہ جناب فضل احمد عارف

ناشر: سنگ میل پبلیکیشنز، چوک اردو بازار، لاہور ۲، $\frac{30 \times 20}{16}$ کے ۲۷۶ صفحات کتابت و طباعت معیاری۔ قیمت قسم معمولی دو روپے پچاس پیسے، اعلیٰ ایڈیشن مجلد مع گرد پوش۔

یہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت دلکش سوانح حیات ہے، جو فاضل مؤلف نے بڑی محنت سے مرتب فرمائی ہے۔ اس سے صرف ایک معروف دینی شخصیت کے حالات زندگی ... ہی سامنے نہیں آتے، بلکہ ہر انسان کو اپنی زندگی کے لئے نہایت قیمتی سبق ملتے ہیں، اصلاحِ نفس اور تزکیۂ اخلاق کے لئے مستند اولیاء اللہ کی صحبت اور ان کے حالات و ملفوظات کے مطالعہ سے زیادہ مفید کوئی چیز نہیں، عام طور سے اولیاء اللہ کی سوانح حیات اس طرح پر مرتب کی جاتی ہیں کہ پوری کتاب اُن کے کشف و کرامات میں بھر جاتی ہے، اور قاری پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کی زندگی کی اصل چیز ان کے کشف و کرامات ہیں۔ اور یہ حضرات گویا اسی لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، نتیجہ یہ ہے کہ ان حضرات کی اصل تعلیمات مغلوب ہو جاتی ہیں اور ان کی زندگی کے قابلِ تقلید پہلو نمایاں نہیں ہو پاتے۔

جناب پروفیسر فضل احمد صاحب عارف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس سوانح میں حضرت بایزید بسطامی رحؒ کی تعلیمات و ہدایات اور ان کے قابلِ تقلید حالات پر زیادہ زور دیا ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر مسلمان گھرانے میں پہنچے اور مرد عورت، بچے سب اس سے مستفید ہوں۔

(م۔ ت۔ ع)

تشکیل سندات البخاری

مرتبہ: مولانا محمد فاروق صاحب انبہٹویؒ

ناشر (باضافات جدیدہ) مولانا خلیل الرحمن نعمانی۔ نعمانی منزل پرانا دھوبی گھاٹ بادشاہ روڈ کراچی ۳۔ قیمت ۵۰ پیسے

ملنے کا پتہ: مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ کراچی ۲

یہ موجودہ حضرات محدثین سے امام بخاریؒ تک سلسلۂ اسناد کا متنوع شجرہ ہے، جسے فاضل مرتب نے بڑی عرق ریزی سے ترتیب دیا ہے۔ اس میں ہر محدث کی اہم اسنادِ روایت کو بڑے دلنشین انداز میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ ایک نظر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہما سے لیکر امام بخاری رح تک کے تمام اساتذۂ حدیث کا سلسلہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ مظاہر العلوم سہارنپور اور فرنگی محل، امروہہ اور یہاں کے اساتذۂ حدیث کی اسناد بھی تفصیل کے ساتھ دی گئی ہیں۔ اور شاہ عبدالغنیؒ شاہ محمد اسحاق رح کے علاوہ قاضی شوکانی کا سلسلۂ سند بھی دکھلایا گیا ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تک پہنچنے کے لئے شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ کی معرفت قریب ترین طریقہ بھی ظاہر کیا گیا ہے، حدیث کے اساتذہ و طلبہ کے لئے یہ بڑے کام کی چیز ہے اللہ تعالیٰ مرتب اور ناشر صاحبان کو اس دیدہ ریزی پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ آئندہ ایڈیشن میں اگر اس کا نام "شجرۂ اسناد بخاری" یا "سلسلۂ اسنادِ بخاری" رکھ دیا جائے تو بہتر ہے موجودہ نام ترکیب اور معنی دونوں لحاظ سے قابل ترمیم ہے

(م۔ ت۔ ع)

فیوض الرحمٰن | ۳۰×۲۰/۱۶ سائز، صفحات ۱۵۸ کتابت وطباعت عمدہ، قیمت اعلیٰ ایڈیشن ۲/۲۵، سستا ایڈیشن ۱/۶۲

مرتب وناشر: مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدرسہ امداد العلوم لوئر ملک پورہ، ایبٹ آباد۔

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کو جو علمی، دینی اور اصلاحی فائدہ پہنچا اور پہنچ رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں، آپ کی علمی اور دینی تصانیف کا افادہ واستفادہ اپنی جگہ مسلّم لیکن آپ کی مجالس عام وخاص میں علمی، دینی، اصلاحی اور تبلیغی نکات اور گفتگوئیں بھی عقیدت مندوں اور مریدوں اور عام مسلمانوں کی اصلاح ورہنمائی کے۔ لئے کچھ کم مفید نہ ہوتی تھیں!

آپ کی مجالس کے ان جواہر پاروں کو مختلف حضرات مختلف مواقع پر ضبط تحریر میں لاتے رہے، اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ثانی کے بعد یہ مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہوتے رہے، انہیں مجموعوں کے منجملہ زیر تبصرہ مجموعہ بھی ہے، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے آپ کی صحبت میں رہ کر مرتب کیا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال فرماجانے کی وجہ سے آپ کی نظر ثانی سے محروم رہا

البتہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے اس مجموعہ کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا اور ضروری اصلاح بھی فرمائی۔

بقول مرتب مدظلہٗ "یہ ملفوظات اگرچہ اس درجہ کے تو ہیں نہیں جیسے صاحب ملفوظات کے نظر کردہ ملفوظات ہوا کرتے تھے مگر درجہ دوم کے ضرور رہیں"

آخر میں مرتب محترم نے ملفوظات کے شائع شدہ مجموعوں سے بھی ملفوظات کا ایک قابل قدر اضافہ فرمایا ہے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے محبت وعقیدت رکھنے والے حضرات نیز آپ کی بابرکت اور فیض اثر مجالس کی کیفیات سے آگاہی حاصل کرنے کے خواہشمند مسلمانوں سے ہم اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔ (نعمانی)

زاد السعید | تصنیف: حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

ملنے کا پتہ: کتب خانہ امدادیہ جامع مسجد فیڈرل کیپٹل ایریا کراچی ۱۹۔ ۳۰×۲۰/۱۶ سائز، ۷۶ صفحات۔ قیمت ساٹھ پیسے۔ کاغذ سفید آفسٹ کی خوبصورت طباعت سے آراستہ۔

فضائل درود وسلام پر ایک جامع کمالات شخصیت کی تصنیف کیسی ہوسکتی ہے اس کا اندازہ لگانا ہو تو زاد السعید کا مطالعہ فرمایئے۔

درحقیقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف "دریا بکوزہ" کی مصداق ہے! اور تعریف وتعارف سے بے نیاز!

اس کے آخر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور گرانقدر مختصر رسالہ بنام "نیل الشفا بنعل المصطفیٰ" (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی شامل ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ (نعمانی)

سالانہ جلسہ

دار العلوم الاسلامیہ لکی مروت ضلع بنوں کا اٹھارواں سالانہ جلسہ ۱۷، ۱۸ شعبان ۸۸ھ مطابق ۹، ۱۰ نومبر ۶۸ء بروز ہفتہ واتوار منعقد ہوگا، انشاء اللہ پاکستان کے جلیل القدر علماء کرام اور نمونۂ سلف مشائخ عظام تشریف لائیں گے۔ احباب تاریخ نوٹ فرمالیں۔

نیز دار العلوم کے احاطہ میں شاندار جامع مسجد اور کمروں کی تعمیر شروع ہے۔ اہل دل حضرات توجہ فرمائیں۔

ناظم نشر واشاعت دار العلوم الاسلامیہ لکی مروت ضلع بنوں (مغربی پاکستان)

دینی مدارس کے طلباء کیلئے خوشخبری

دار العلوم میں تخصص فی الفقہ کا اجراء

اہل علم اور طلبائے علمِ دین کے لئے یہ خبر باعثِ مسرت ہوگی کہ شوال ۱۳۸۸ھ سے دار العلوم کراچی میں "شعبۂ تخصص فی الفقہ والافتاء" کا باقاعدہ آغاز کیا جا رہا ہے، اگرچہ اس سے قبل بھی دار العلوم میں "تمرینِ افتاء" کا کام کسی خاص اہتمام کے بغیر کرایا جاتا رہا ہے، مگر انشاء اللہ سالِ آئندہ سے اسے پورے اہتمام اور نئے انتظامات کے ساتھ شروع کیا جائے گا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مدت: شعبۂ تخصص میں طلباء کے کام کی مدت دو سال ہوگی۔ پہلے سال چھ پرچے پڑھائے جائیں گے اور دوسرے سال سات پرچے۔

سال اوّل

پہلا پرچہ ——— اصولِ فقہ

کتب درسی: الاحکام فی اصول الاحکام للآمدیؒ (القسم الثالث فی المبادی الفقہیۃ والاحکام الشرعیۃ از ص ۱۳۱ ج اول تا ص ۸۰)

کتب مطالعہ: (۱) شرح جمع الجوامع للسبکیؒ، مبحث الاحکام (۲) الاحکام فی اصول الاحکام، ماسوائے قسمِ ثالث ومباحث فتاوی (۳) الموافقات للشاطبیؒ اوّلین

دوسرا پرچہ ——— اصولِ فتویٰ

کتب درسی: (۱) مقدمۃ الدر المختار مع حاشیۃ شامیؒ (۲) شرح عقود رسم المفتی لابن عابدینؒ (۳) الاحکام فی اصول الاحکام للآمدیؒ (القاعدۃ الثالثۃ- فی المجتہدین واحوال المفتین والمستفتین، از ص ۱۳۹ جلد سوم تا آخر کتاب)

کتب مطالعہ: (۱) الفتوىٰ فی الاسلام للشیخ جمال الدین القاسمیؒ (۲) معین القضاۃ والمفتین (۳) نشر العرف لابن عابدینؒ

تیسرا پرچہ ——— فقہ وفتویٰ

کتب مطالعہ: (۱) الفتاوی الخیریۃ یا تنقیح الحامدیۃ (۲) امداد الفتاوی کامل (۳) فتاویٰ دار العلوم کامل فتاویٰ رشیدیہ کامل۔

چوتھا پرچہ ——— تاریخ فقہ

کتبِ مطالعہ : (۱) مقدمۃ ابن خلدون رح (مباحث متعلقہ تفسیر، حدیث، فقہ و اصول)

(۲) مقدمۃ نصب الرایۃ للشیخ الکوثری (۳) الفوائد البہیۃ للشیخ عبد الحی۔

پانچواں پرچہ ——— تمرینِ افتاء

فتویٰ نویسی کی مشق اور اس دوران تمام کتب فقہ و حدیث سے حسب ضرورت استفادہ۔

چھٹا پرچہ ——— معاشیات

(عہدِ حاضر کے "معاملات" اور "حوادث الفتاویٰ" سے واقفیت کے لئے معاشیات کا وہ حصہ درسًا (بطور تقاریر) پڑھایا جائے گا جو "فقہ" سے متعلق ہے۔ عنوانات درج ذیل ہیں)

دولت، اس کی پیدائش، تقسیم اور مبادلہ، نظام زر، بنکاری، افراط و تفریط زر، مالیات عامہ، بین الاقوامی تجارت قانون معاہدہ، شرکت، کمپنی، دستاویزات قابلِ انتقال۔

سالِ دوم

پہلا پرچہ ——— اصول فقہ

کتبِ تدریس : (۱) الاشباہ والنظائر (الفن الاول فی القواعد) باعانتِ حموی رح

کتبِ مطالعہ : (۱) مجلۃ الاحکام العدلیۃ (حصۃ القواعد)

(۲) "تلخیص الاعتصام للشاطبی رح بنام "الابداع فی مضار الابتداع"

دوسرا پرچہ ——— فقہ و فتاویٰ

کتبِ مطالعہ : (۱) الاشباہ والنظائر از فنِ ثانی تا آخر باعانتِ حموی رح

(۲) مجلۃ الاحکام العدلیۃ (حصۂ قوانین)

تیسرا پرچہ ——— تقابل فقہ و قانون جدید

کتبِ مطالعہ : (۱) المقارنات التشریعیۃ

(۲) التشریع الجنائی الاسلامی۔

چوتھا پرچہ ——— تمرینِ افتاء

حسب سابق۔

پانچواں پرچہ ——— فقہی مقالہ

فقہ یا اصول فقہ کے کسی موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ یا فتاویٰ کے کسی مجموعے کی ترتیب، تبویب، تجرید یا تہذیب۔

چھٹا پرچہ ——— قانون

درس بشکل تقاریر : (۱) اصول قانون جدید مع نصفت۔

(۲) قانون شہادت۔ (۳) قانون انتقال جائیداد۔

مطالعہ: (۱) قانون بیع مال (۲) قانونِ امانت (۳) قانونِ دادرسی خاص (۴) قانون ٹارٹ۔

اس کے علاوہ سال دوم میں ایک تقریری امتحان بھی ہوگا جس میں حوادث الفتاویٰ کی معلومات کی بطورِ خاص جانچ کی جائے گی۔

اساتذہ

یہ شعبہ براہِ راست حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی نگرانی میں ہوگا جو بعض اہم اسباق خود پڑھانے کے علاوہ تمرینِ افتاء کا کام بھی خود ہی کرائیں گے، آپ کے علاوہ دارالعلوم کے بعض ماہر اساتذہ اپنے زیادہ اوقات اسی شعبے میں صرف کریں گے، اور تدریس کے علاوہ طلباء کے مطالعہ کی نگرانی، ان کی مشکلات کے حل اور فتویٰ نویسی و مقالہ نگاری میں ان کی مکمل رہنمائی کریں گے۔

شرائط داخلہ

(۱) ـــــ اس شعبے کے لئے صرف وہ طلباء اپنی درخواستیں ارسال کریں جو:

(الف) کسی معروف دینی درسگاہ سے اعلیٰ درجے میں فارغ التحصیل ہوں۔

(ب) اردو تحریر و انشاء کی اچھی صلاحیت کے حامل ہوں۔

(ج) فقہ اور اصول فقہ میں خصوصی استعداد و مناسبت رکھتے ہوں۔

(۲) ـــــ تقریری امتحانِ داخلہ مندرجۂ ذیل کتابوں میں لیا جائے گا۔

بیضاوی یا جلالین، صحیح بخاری، ہدایہ کامل، شرح عقائد، مختصر المعانی، مقامات حریری، سلم العلوم اور میبذی۔

اس کے علاوہ اردو تحریر و انشاء کی صلاحیت کا بھی امتحان کیا جائے گا۔

وظیفہ

جو طلباء امتحانِ داخلہ میں کامیاب ہو کر اس شعبے میں داخل ہوں گے، انھیں فراغت تک پچاس روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔

داخلے ۱۵ شوال ۱۳۸۰ھ سے شروع ہو کر یکم ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ کو ختم ہو جائینگے

بہتر ہے کہ خواہشمند طلباء دارالعلوم آنے سے قبل ہی اپنی درخواستیں ارسال کردیں ـــــ درخواستیں اس پتے پر بھیجی جائیں:

مولانا قاری رعایت اللہ صاحب، ناظم اعلیٰ دار العلوم۔ کورنگی کراچی ۱۴